تذکرہ
اولیاء حیدرآباد
حصہ اول

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ؕ

تذکرہ اولیائے حیدرآباد

(حصہ اول)

دور ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری - دکن میں ہندو راج

دور نویں اور دسویں صدی ہجری - عہد قطب شاہی

از

سید مراد علی طالع

ناشر

مینار بک ڈپو مچھلی کمان حیدرآباد - اے پی

فون نمبر ۷۱۲۶۴

سنہ ۱۹۶۶ء

قیمت ۲ دو روپیہ

فہرست تذکرہ اولیائے حیدرآباد بلحاظ ادوار

حوالے کی کتابیں جن سے اس کتاب کی ترتیب میں مدد لیگئی

جن صوفیا کے تذکرہ کے آخر میں لفظ "جدید" لکھا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انکے تاریخی حالات اور متعلقہ کتبے و تحریریں ان انتسابکے سلسلہ میں پہلی مرتبہ نہایت صحت اور تحقیق کیساتھ شائع ہو رہے ہیں

نشان سلسلہ	نام کتاب	زبان	نام مولف یا مصنف	قلمی یا مطبوعہ	سنہ تصنیف یا طبع	نام مطبع یا مقام
١	٢	٣	٤	٥	٦	٧
١	کشف قبوری	فارسی	سید انوار اللہ	قلمی	-	بلدہ حیدرآباد
٢	مشکوٰۃ النبوہ	″	سید غلام علی شاہ قادری موسوی	″	سنہ ١٢١٩ھ	″
٣	زاد اعظم جلد دوم	″	سید شاہ محمد الحسینی عرف شاہ میران	″	قبل سنہ ١٢٤٦ھ	″
٤	ریاض اعظم	″	″ ″	″	″	″
٥	تاریخ گلزار آصفیہ	″	خواجہ غلام حسین خان	مطبوعہ	سنہ ١٢٦٠ھ	مطبع محمدی حیدرآباد
٦	چہار موج	″	محمد دلیل خان ناظر ابوالعلائی	قلمی	سنہ ١٢٧٧ھ	بلدہ حیدرآباد
٧	حدیقۂ رحمانی جلد دوم	اردو	سید محمد عبدالرحمٰن سقا بیجاپوری صوفی	″	سنہ ١٢٩١ھ	″
٨	تاریخ خورشید جاہی	″	غلام امام خان ترین	مطبوعہ	سنہ ١٢٩٧ھ	مطبع خورشیدیہ حیدرآباد دکن
٩	مناقب شجاعیہ	″	محمد امیر اللہ فاروقی	″	سنہ ١٣٠٧ھ	مطبع [illegible]
١٠	رہبر طریقت	″	حافظ سید عمر قادری حنبلی	″	سنہ ١٣١٤ھ	مطبع عزیز دکن
١١	احوال العارفین	″	نعمت اللہ نقشبندی	″	سنہ ١٣١٧ھ	مطبع فیض الکرم
١٢	تزک محبوبیہ جلد اول	″	غلام صمدانی خان گوہر	″	سنہ ١٣١٩ھ	فخر نظامی پریس
١٣	″ ″ جلد دوم	″	″ ″	″	سنہ ١٣٢١ھ	نظام المطابع
١٤	محبوب الزمن جلد اول	″	عبدالجبار خان صوفی ملکاپوری	″	سنہ ١٣٢٩ھ	مطبع رحمانی
١٥	″ ″ دوم	″	″ ″	″	″	″
١٦	حیات قاسمی	″	محمد قدرت اللہ خان ابوالعلائی	″	سنہ ١٣٣٠ھ	عثمان پریس
١٧	لمعات معرفت	″	محمد عبدالعزیز قادری	″	سنہ ١٣٣١ھ	حسن پریس
١٨	تذکرہ اولیائے دکن جلد اول	″	عبدالجبار خان صوفی ملکاپوری	″	سنہ ١٣٣١ھ	
١٩	جلد دوم	″	″	″	سنہ ١٣٣٢ھ	

نمبر	نام کتاب	زبان	مصنف	کیفیت	سنہ	مطبع
۲۰	خیابان آصفی	اردو	مانک راؤ وٹھل راؤ	مطبوعہ	سنہ ۱۳۴۰ھ	شمس الاسلام پریس حیدرآباد
۲۱	حیات المسکین	//	عتیق شاہ نظامی	//	سنہ ۱۳۴۶ھ	شمس المطابع //
۲۲	روضۃ الاقطاب	//	محمد رونق علی	//	سنہ ۱۳۴۹ھ	دلگداز پریس لکھنؤ
۲۳	سوانح ابوالعلاء	//	محمد علی بشیر	//	سنہ ۱۹۰۶ء	قاسم پریس حیدرآباد
۲۴	اذکار احرار جدید	//	شیخ احمد آستخانی	//	سنہ ۱۳۵۳ھ	رفاہ عام پریس آگرہ
۲۵	سوانح عمری شاہ فضل اللہ قادری	//	سید عبدالوحید قادری	//	سنہ	مطبع اسرار کریمی الٰہ آباد
۲۶	شرف الانتساب	//	سید غوث محی الدین قادری	//	سنہ ۱۳۴۶ھ	شمس الاسلام پریس حیدرآباد
۲۷	تاریخ ظفرہ	فارسی	گردھاری لال احقر	//	سنہ ۱۳۴۶ھ	//
۲۸	کیفیت العارفین نسبت العاشقین	//	سید شاہ [illegible] حسین ابوالعلائی	//	سنہ ۱۳۵۱ھ	مطبع شمسی رام ساگر گیا
۲۹	مآثر دکن	اردو	علی اصغر بلگرامی	//	سنہ ۱۹۲۴ء	دارالطبع جامعہ عثمانیہ //
۳۰	تذکرۂ مخطوطات جلد اول	//	ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور	//	۱۳۶۲ھ	اعظم اسٹیم پریس //
۳۱	// // دوم	//	// //	//	سنہ ۱۳۷۰ھ	طارق برقی پریس //
۳۲	// // سوم	//	// //	//	سنہ ۱۳۷۶ھ	نیشنل فائن پریس //
۳۳	چہارم	//	// //	//	سنہ ۱۳۷۸ھ	// // //
۳۴	// // پنجم	//	// //	//	سنہ ۱۳۷۹ھ	// // //
۳۵	مرقع سخن	//	// //	//	سنہ ۱۹۳۵ء	اعظم اسٹیم پریس //
۳۶	میر محمد مومن	//	// //	//	سنہ ۱۹۴۱ء	// // //
۳۷	مشاہیر قندھار دکن	//	محمد اکبر الدین صدیقی	//	سنہ ۱۳۵۵ھ	شمس المطابع
۳۸	اولیائے دکن اور قرآن	//	ابو محمد مصلح	//	سنہ ۱۳۵۴ھ	مطبع اعظم جاہی
۳۹	دیوان شاہ خاموش	//	سید شاہ صابر حسینی	//	سنہ ۱۳۷۴ھ	انتخاب پریس //
۴۰	تذکرۃ الصالحین	//	حکیم محمد مظہر حسین	//	سنہ ۱۳۶۳ھ	شمس الاسلام پریس
۴۱	پیران طریقت	//	قاضی میر لطف علی عارف	//	سنہ ۱۳۶۶ھ	// //
۴۲	سلطان العارفین	//	پیرزادہ سید دستگیر بادشاہ	//	سنہ ۱۳۶۴ھ	اعظم اسٹیم پریس
۴۳	گلدستۂ تجلیات	//	سید محی الدین قادری	//	سنہ ۱۳۶۳ھ	// //
۴۴	حیات طیبہ المعروف حالات پیر طریقت	//	حکیم محمد فضل اللہ قادری	//	سنہ ۱۳۷۱ھ	مطبع ابراہیمیہ

دیباچہ

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

تمدن عالم کی تعمیر میں مادی عناصر کے ساتھ مذہب کا بہت بڑا حصہ رہا ہے۔ جہاں ہوا بازیاں اور خلا بازیاں تمدن کو آگے بڑھا رہی ہیں اور یہ گمان ہوتا ہے کہ تمدن صرف مادی ترقیوں کا دوسرا نام ہے اور اس میں مذہب کا کوئی اثر نہیں ہے حالانکہ تمدن کی بنیادیں صرف مذہب پر رکھی گئی ہیں۔ مذہب کی رہبری میں ہی کائنات کے راز دریافت ہوئے، حیات انسانی کا صحیح مقصد معلوم ہوا، زندگی کا پاکیزہ نصب العین سامنے آیا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ مذہب کی تمام کارفرمائیاں پردہ کے اندر چھپی رہتی ہیں۔ مذہب کا وجود ایسا ہے جیسے زمین دوز چشمے جو زمین میں پھیلے ہوئے ہیں اور اندر اندر زمین کو سیراب کرتے ہیں۔ اگر یہ سوتے نہ ہوں تو سطح زمین پر سبز درخت، لہلہاتے کھیت، مختلف قسم کے پھول و کلیاں کیسے اُگتیں اور دنیا میں رنگینی کیسے پیدا ہوتی۔ یہ سیمیائی جلوے ان زمین دوز چشموں کی بدولت ہیں۔ مذہب کی بنیاد کا بھی یہی حال ہے یہ بالکل خاموشی کے ساتھ نفوذ کرتا اور سماج میں رنگینی پیدا کرتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو پیشوایان مذہب نے ہی انسانی سماج کو سڈول بنایا۔

اسلامی پیشوایان مذہب کے کئی طبقے ہیں جنہوں نے دنیا کی ذہنی اور اخلاقی رہبری کو اپنا شعار بنایا۔ بعضوں نے صرف کتابی سبق دیکر اخلاقی اور سماجی قدریں بتادیں تاکہ انسان کے اعمال و افعال ایک اچھے نظام اخلاق میں منسلک ہو جائیں یہ لوگ علماء و فقہا کہلاتے ہیں لیکن ان کے علاوہ ایک طبقہ اور ہے جو ظاہری تعلیم سے گزر کر روحانی مدارج پر پہنچتا اور انسان کے روحانی قوی کو بیدار کرتا ہے۔ کتابی تعلیم سے ظاہری

اعمال وافعال تو ایک سانچے میں ڈھل جاتے ہیں لیکن انسان کی روحانی قوتیں متحرک نہیں ہوتیں اس کے لئے باطنی تعلیم کی ضرورت ہے جو انسان کے اندرونی جذبات کو متلاطم کرکے وجود مطلق سے وابستہ کردے جو حیات انسانی کا منتہیٰ ہے اس طبقے کو صوفیا کہتے ہیں۔ صوفی کبھی اپنے گھر میں بخت نہیں بیٹھے۔ ان بزرگوں نے پہلے خود کو ایک پیکر عمل بنایا اس کے بعد نہ صرف اپنے ہم نشینوں میں روح عمل پھونکی بلکہ تمام اقطاع عالم کو اپنی جولانگاہ بنایا اور خدا کی مخلوق کو خواہ وہ کسی رنگ ونسل کی ہو مخاطب کیا اور اپنا پیغام پہنچایا۔

اگر تصوف کا سراغ لگایا جائے تو اس کی ابتدا اُندلس سے معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی خاطر خواہ نشو ونما ترکستان میں ہوئی دنیا کے اکثر صوفی جنہوں نے تصوف کو انسانی زندگی کا نصب العین قرار دیا اکثر ترک ہیں۔ سب سے پہلے ترکستان کے مختلف خطے اس سے منور ہوئے اس کے بعد ایشیا کے مختلف گوشوں میں اس کی روشنی پھیلی تصوف میں اصول اور عمل دونوں ہیں اس کو محض ایک ذہنی اور خیالی فلسفہ سمجھنا غلط ہے بلکہ یہ ایک درس عمل ہے۔ تصوف میں جس قدر عملیت ہے ویسی دنیا کے کسی فلسفۂ حیات میں نہیں پائی جاتی۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک مسلمان تصوف کی چاشنی کے بغیر اسلامی تعلیم کے بلند مقصد کو پورا نہیں کرسکتا اور وہ مقام حاصل نہیں کرسکتا جہاں اس کو پہنچنا چاہیئے۔

ھندوستان میں یہ درویش مسلمان حملہ آوروں کے ساتھ وارد ہوئے اور ایسی جگہ پہنچے جہاں اسلام کا ابھی تک پرتو نہیں پڑا تھا۔ جہاں یہ لوگ بیٹھ گئے وہاں تمام ماحول کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ کیونکہ ان کے تخاطب میں پیار و محبت کی اتنی شیرینی بھری ہوئی تھی کہ دل پسیج جاتے تھے، ان کے دو چار جملوں میں شکستہ دلی جڑ جاتے تھے اور دردمندوں کو مداوا ملجا تا تھا۔ ھندو اور مسلمانوں

کو جو ایک دوسرے سے اجنبی تھے ان بزرگوں نے ایسا شیر و شکر کر دیا کہ ایک نیا دور ہو گیا اور ان کی برکتوں سے ایک ملی جلی ہندوستانی تہذیب نے جنم لیا۔ اس مشترک تہذیب کو صرف صوفیوں کا کارنامہ سمجھنا چاہیئے۔ یہ امتزاج دوسروں سے ممکن نہ تھا دکن میں یہ روایت مشہور ہے کہ یہاں چودہ سو پالکیاں آئی ہیں یعنی چودہ سو صوفی یہاں آ کر بس گئے ہیں۔ چنانچہ آج دکن کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں درویشوں کے مزارات اور خانقاہیں موجود نہ ہوں۔ خود شہر حیدرآباد میں کئی سو صوفی اوارد ہوئے۔ چنانچہ اس شہر کی رونق بڑھانے میں اور طبقوں کے ساتھ صوفیائے کرام کا بھی بڑا حصہ ہے لیکن اب تک ان بزرگ کے حالات اچھی طرح قلمبند نہیں ہوئے اور ان کے مزارات کا مرقع تیار نہیں ہو سکا۔

یہ دراصل بہت بڑا اور دشوار گزار کام ہے جو مجھ جیسے بے بضاعت آدمی کے سپرد ہوا۔ اللہ پاک کا شکر ہے کہ باوجود دشواریوں کے میں نے اس سنگلاخ کام کی تکمیل کر لی۔ اس کے لئے میں نے مستند تاریخی کتابیں، مورخوں و ادیبوں اور شاعروں کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریریں پڑھیں۔ مزاروں اور خانقاہوں کے کتبے اور تحریروں کی جانچ کی نیز مزاروں کے جغرانی، ماحول کو آنکھوں سے دیکھا اور ان کی پیمائش کی۔ درگاہوں کے متولیوں اور سجادوں سے پوچھ گچھ کی پھر پوری تحقیق اور صحت کے ساتھ زیارت گاہوں کی تفصیل جمع کرنے کی کوشش کی فراہمی مواد کے سلسلے میں کتب خانوں کی چھان بین کے علاوہ مجھے بعض ایسے قبرستانوں میں بھی جانا پڑا جہاں شاید اب تک کوئی مورخ یا تذکرہ نویس گیا ہو۔ بہرحال خوشی اس بات کی ہے کہ حسب خواہش معلومات فراہم ہو گئے اور "اولیائے حیدرآباد" پر ایک مبسوط تذکرہ تیار ہو سکا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر مردان باخدا کی نظر فیض اثر جو جاہل کو عالم اور عالم کو عارف بنا دیتی ہے۔ اس گناہ گار کے شامل حال

نہ ہوتی تو اس کام کی تکمیل نہ ہوتی۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

قدرت نے حیدرآباد کی آب و ہوا میں ہی یہ تاثیر دی ہے کہ وہ شروع ہی سے ایک گونہ انفرادی خصوصیت کی حامل ہے جو لوگ باہر سے یہاں آئے ان میں سے اکثر یہاں جذب ہو گئے۔ عوام کے ساتھ بے شمار صوفی درویش بھی یہاں آئے اور اہل ملک کی روحانی اور اخلاقی خدمت کی۔ حیدرآباد کے بدلتے ہوئے حالات میں اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ نفوس قدسیہ کے اقوال و اعمال کے ساتھ ساتھ ان کی زیارت گاہوں کے موجودہ آثار کو جن کے لوح زمانہ سے محو ہو جانے کا قوی امکان ہے آیندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر لیا جائے تاکہ آنے والوں کو یہ معلوم ہو کہ ان کے اسلاف کس طرح صدیوں سے پاکیزہ معاشرت اور امن و اعتماد، ادب و اخلاق اور علم باطن کا معیار کرتے رہے ہیں اور وہ اچھی طرح جان لیں کہ حیدرآباد کی ایک خاص تاریخ ہے۔ اور وہ خصوصی روایتوں کے حامل ہیں۔ عہد حاضر میں حیدرآباد اور ہندوستان تو کجا سارا عالم ایک سیاسی ہیجان میں مبتلا ہے اور انقلابی دور سے گذر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ملکوں اور قوموں کی تاریخ میں ایسے انقلابی دور بارہا آتے اور گزر جاتے ہیں اور ہر وقت اپنے پیچھے نت نئے اثرات چھوڑ جاتے ہیں لیکن آندھیوں میں با عظمت اسلاف کے کارنامے فنا نہیں ہوتے وہ تاریک سے تاریک ماحول میں بھی ایسے بلند مینارون کا کام دیتے ہیں جن کی روشنی سے بھٹکے ہوئے قافلوں کی منزل مقصود کی طرف رہبری ہو سکتی ہے۔

اس کتاب کا مقصد "اولیائے حیدرآباد" کے مزارات کا جغرافیائی موقع

محل ظاہر کرنا ہے کہ کہاں واقع ہیں اور ان کی تعمیری حالت کیا ہے لیکن اس ضمن میں صاحب مزار کا مختصر تذکرہ بھی لکھد یا گیا ہے تا کہ پڑھنے والوں کو ان بزرگوں کی شخصیت، وطن، پیدائش، موت اور اخلاقی و سماجی خدمات بھی معلوم ہو جائیں ورنہ یہ مضمون تشنہ رہ جاتا اور ناظرین کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ فلاں بزرگ کون تھے اور ان کی علمی و اخلاقی اور روحانی کیا حیثیت تھی۔ قومی زندگی یا ملک کے حالات کے متعلق بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو اکثر مصنف معمولی سمجھ کر نظر انداز کر جاتے ہیں حالانکہ ان ہی پر ملک کی علمی اور سماجی تاریخ اور ترقی کا انحصار ہوتا ہے۔ اس سماجی اور تاریخی اہمیت کو ملحوظ رکھ کر میں نے اس کتاب میں صوفیائے کرام کے اخلاقی و روحانی تصرفات اور خصوصیات کے ساتھ ان کی درگاہوں اور خانقاہوں کی تحریریں اور کتبوں کی تشریح بھی کر دی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ مواد ناظرین کے لئے مفید ہی ہوگا۔ اس سے عہد حاضر اور گذشتہ دور کے علمی و تاریخی شواہد محفوظ ہو جائیں گے۔ اور آئندہ نسلوں کی رہبری ہوگی اور ان کی بقا و ترقی میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔ اگر یہ کتاب اس نیک مقصد میں کامیاب ہوئی اور حیدرآبادی اس کو اپنی حیات ماضی کی ایک یادگار سمجھیں تو میں سمجھوں گا کہ۔ ع

"شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم"

مولف

عرض ناشر

عرصہ سے یہ کمی محسوس کی جارہی تھی کہ اولیاء دکن کے متعلق ایسی مکمل اور مبسوط تاریخ مرتب ہو جس سے ان بزرگان دین اور صوفیائے کرام کے حالات، ان کی شخصیت، انکا وطن انکی پیدائش موت اور اخلاقی وسماجی خدمات سے لوگ واقف ہوسکیں جیسی کہ روایت ہے کہ دکن میں تقریباً ۱۲ سو صوفی آکر بس گئے ہیں ان کے مزارات دکن کے مختلف علاقوں میں موجود ہیں اور جہاں جہاں ان اولیاء کرام کے مزارات ہیں وہاں کے لوگ ان سے عقیدت مندی کا ثبوت بھی دیتے ہیں اس کے باوجود دکن میں سیکڑوں بزرگان دین اور صوفیائے کرام ایسے بھی ہیں جن سے لوگ عام طور پر واقف نہیں کہ انکا مدفن کہاں ہے، ان کے حالات کیا ہیں۔ خود بلدہ حیدرآباد میں سیکڑوں مزارات ایسے ہیں جنکی تاریخی حیثیت سے لوگ لاعلم ہیں ـــــ مولوی سید مراد علی صاحب طالع نے اس کمی کو محسوس کر کے کئی سال کی مسلسل جدوجہد، تحقیق وتلاش کے بعد زیارت گاہوں کی تفصیلات کو جمع کر کے ایک جامع اور مکمل تاریخ مرتب کی جس میں صاحب مزار کا تذکرہ، مزارات کا محل وقوع اور مزارات کی مکمل پیمائش نہایت سلیقہ سے یکجا کر دی ہیں جس کے لئے فاضل مولف یقیناً تحسین وستائش کے مستحق ہیں جنھوں نے انتہائی محنت وجانفشانی سے تاریخی تحقیق کا بہترین خلاصہ پیش کر دیا ہے ۔

ہم کو مسرت ہے کہ ہم اس تاریخی دستاویز کو اپنے ادارہ سے شائع کر رہے ہیں جو یقیناً اپنی جامعیت اور افادیت کے اعتبار سے اپنا ایک خاص اور بلند مقام حاصل کرے گی ۔

زیر نظر کتاب تذکرہ اولیائے حیدرآباد کا پہلا حصہ ہے جس میں ساتویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک کے اولیائے کرام کے تذکرے درج ہیں۔ اور آئندہ حصوں میں بعد کے صوفیائے کرام کے حالات پیش کئے جائینگے ۔

امید ہے کہ قارئین اس تذکرہ جمیل کو اضافہ معلومات کے لئے مطالعہ فرمائیں گے۔ فقط

(ناشر)

باب اوّل

تذکرہ اولیائے حیدرآباد

دکن میں ہندو راج

ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

بابا شرف الدین رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش ۵۸۶ھ عراق — وفات ۶۸۷ھ ۱۲۸۶ء حیدرآباد

سید شرف الدین عراقی نام اور بابا شرف الدین لقب تھا نیرھویں پشت میں صحیح النسب سادات حسینی تھے۔ نسب کا شجرہ اس طرح ہے سید شرف الدین عراقی سہروردی بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبداللہ بن سید اصغر بن سید جعفر ثانی بن سیدنا امام علی نقی رضی اللہ عنہ بن سیدنا امام محمد تقی رضی اللہ عنہ بن سیدنا امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ بن سیدنا امام محمد موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ بن سیدنا امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ بن سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ عنہ بن سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بن حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۱۶ شعبان ۵۸۶ھ کو عراق عرب میں پیدا ہوئے۔ شہر بغداد میں تعلیم و تربیت پائی۔ والد بزرگوار حضرت سید محمود سے قرآن کا سبق لیا۔ علوم شرعی تفسیر و حدیث اور فقہ میں شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے دستار فضیلت حاصل کر کے ان ہی کے ہاتھ پر بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ مرشد کی ایما پر ۴۵ برس کی عمر میں

ہجرت کر کے بعہد سلطان التمش شمس الدین ۶۳۱ھ میں (۷۰) فقرا
اور مریدوں اور معتقدوں کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔
ان ستر اشخاص کے علاوہ حضرت کے حقیقی بھائی بابا شہاب الدین
سہروردیؒ (مدفن شمس آباد) و حقیقی بھتیجے سید فرید الدین اور روحانی
بھائی بابا فخر الدین سہروردیؒ (مدفن خواجہ گڑھ جاگیر) بھی حضرت
علیہ الرحمہ کے ہمرکاب تھے۔ مسلسل نو ۹ سال تک ہندوستان کے
مختلف مقامات کا دورہ کرنے کے بعد (۴۵) برس کی عمر میں اپنے
قدوم مبارک سے ۶۴۰ھ میں سرزمین دکن کو افتخار بخشا۔ اولاً
دولت آباد اور پھر حیدرآباد تشریف لاکر اپنے قیام کیلئے ایک
بلند پہاڑی کو جو شہر حیدرآباد سے سات میل جنوب کی طرف
ہے پسند فرمایا۔ مسلسل نو ۹ سال تک اس پہاڑی کے غاروں میں
حضرت بابا رحمۃ اللہ علیہ چلہ کش رہے۔ اس کے بعد عوام کی رشد و
ہدایت اور تبلیغ اسلام میں مصروف ہو گئے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نہایت خلیق اور شیریں زبان، سادہ
مزاج اور بردبار، ایثار پسند اور غریب نواز، شب بیدار اور
تہجد گزار تھے۔ زہد و تقوی کا یہ عالم تھا کہ رات بھر ذکر و نوافل میں گزار
دیتے اور نماز فجر سے فارغ ہو کر بیماروں کی عیادت کو تشریف
لے جاتے تھے۔ تبلیغ اور اشاعت اسلام زندگی کا مقصد اعظم تھا۔
جو ہندو حضرتؒ کے پاس آتے ان کا کام ان کے گاؤں کے بت کو حکم

دے کر کرادیتے تھے۔ یہ دیکھ کر اکثر ہندو اپنے دیوتاؤں کو بھول کر حضرتؒ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہتے، اور حضرت کو مہا دیوتا سمجھتے تھے۔ حضرت کے خرق عادات کے تعلق سے متعدد واقعات مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ایک دھوبی کا بیل گم ہو گیا تھا مسلسل دو ماہ تک وہ بیل کی تلاش میں حیران اور پریشان رہا مگر کہیں اُس کا پتہ نہیں ملا۔ ناامید ہو کر وہ حضرتؒ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ "حضرت دو ڈھائی مہینے سے میرا بیل گم ہو گیا ہے سارا شہر اور جنگلوں و پہاڑوں میں ڈھونڈا بیل کا کہیں بھی پتہ نہیں ہے۔ میں غریب دھوبی بال بچے والا ہوں۔ بیل میری زندگی کا سہارا تھا۔ دوسرا بیل خریدنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ اب آپ میری مدد کیجئے۔ میرا بیل مجھے مل جائے۔"

حضرتؒ نے دھوبی کی فریاد سن کر ایک ٹھیکری پر کوئلے سے کچھ لکھ کر اُس کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ "یہ ٹھیکری فلاں ہنومان کے پاس لے جاوہ تیرا بیل لادے گا۔" دھوبی کو بڑی حیرت ہوئی کہ ہنومان پتھر کی مورت جو جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا، کس طرح بیل لائے گا۔ لیکن اعتقاداً اُس نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ گاؤں کے ہنومان کے پاس گیا اور ٹھیکری اس کے سامنے رکھ کر بیل کے بارے میں کہا۔ مورت سے کوئی جواب نہیں ملا۔ دھوبی مایوس ہو کر واپس ہونے کو ہی تھا کہ اس نے بیل کو ہنومان

کے پیچھے چرتا ہوا کھڑا دیکھا۔ خوشی سے اچھل پڑا اور بیل کو پکڑ کر اپنے گھر لایا۔ سب لوگ اس سے پوچھنے لگے کہ بیل کہاں ملا اور کس طرح ملا۔ دھوبی نے سارا قصہ بیان کیا تو سب لوگ حضرتؒ کی کرامت کے قائل ہو کر کہنے لگے کہ ہمارے دیوتا حضرت کے تابع ہیں۔ حضرت مہادیوتا ہیں۔

اس کے بعد روز بروز حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے کشف و کرامات کا آفتاب چمکنے لگا۔ صبح و شام حاجت مندوں کا میلہ لگ گیا۔ حضرت علیہ الرحمہ ہر ایک کی دل جوئی فرماتے اور حسن اخلاق سے پیش آتے تھے۔ زبان مبارک سے جو فرماتے وہ ہو کر رہتا تھا غرض کہ عرصے تک اپنی روحانی تعلیم سے اس سرزمین کے رہنے والوں کو فیض پہنچا کر ۱۹ شعبان ۶۸۷ھ م ۱۲۸۸ء کی رات کو ایک سو ایک برس (۱۰۱) کی عمر میں جنت کو سدھارے اور ۲۰ شعبان کو اسی پہاڑی پر آسودہ ہوئے جہاں زندگی میں قیام تھا۔ آج یہ پہاڑی حضرتؒ کے نام سے ہی موسوم ہے۔

چونکہ حضرت بابا رحمتہ اللہ علیہ کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لئے حضرتؒ نے زندگی ہی میں اپنے حقیقی بھائی حضرت سید موسیٰ کے صاحبزادے حضرت سید فرید الدینؒ کو اپنے آغوش میں لے کر اپنا جانشین مقرر فرما دیا تھا۔ اسلئے بعد میں وہی قائم مقام اور سجادہ ہوئے۔

دیکھو مشکوۃ النبوۃ قلمی ص ۳۱۱ حدیقہ رحمانی قلمی ص ۵۳
گلزار آصفیہ ص ۳۸ تذکرۃ اولیائے دکن جلد اول ص ۱۶ سلطان العارفین ص ۱۹

گنبد اور اسکا محل وقوع چار مینار سے سات میل جنوب کی طرف بہت ہی بلند اور وسیع پہاڑی پر خوب صورت گنبد کے اندر حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے۔ یہ پہاڑی حضرت "بابا صاحب کی پہاڑی" کے نام سے موسوم ہے۔ گنبد کا اندرونی میدان شرقاً غرباً ۳۵ فٹ ۵ انچ، اور شمالاً جنوباً ۱۷ فٹ ۴ انچ ہے۔ اس کی ۱۲ کمانیں ہیں اور فرش سنگ سیلو کا ہے۔ گنبد کی تین سمتوں میں یعنی شمال، جنوب اور مغرب میں پختہ اور فرش سیلو سے آراستہ حاشیہ ہے۔ حاشیہ کو ملاکر گنبد کا طول شرقاً غرباً ۵۰ فٹ ۵ انچ اور عرض شمالاً جنوباً ۳۷ فٹ ۷ انچ ہوتا ہے۔ مشرقی جانب کا کھلا اور شاندار ایوان اور گنبد ۱۳۶۱ھ ۱۹۴۲ء میں رئیس دکن نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع کا تعمیر کردہ ہے۔

یہاں دو مزار ہیں۔ ایک مزار گنبد کے ٹھیک درمیانی حصے میں سنگ مرمر کے خوبصورت چبوترے پر خوش نما چوکھنڈی کے اندر ہے یہ مزار حضرت بابا رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ دوسرا مزار جو گنبد کے حاشئے پر جنوب و مشرقی گوشے میں ۸ فٹ ۸ انچ لمبا، ۷ فٹ ۲ انچ چوڑا اور ایک فٹ ۱۰ انچ بلند ہے اور سنگ مرمر کے کٹھرے میں ہے وہ حضرت بابا رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے و خلیفہ حضرت سید فریدالدین علیہ الرحمہ کا ہے، جو حضرت بابا رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے تھے۔

مزار حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا مزار سنگ مرمر کے جس خوب صورت

جو کھنڈی میں واقع ہے۔ اس کی ہر سمت میں تین[۳] تین[۳] کمانیں ہیں۔
اس طرح چار سمتوں کی جملہ بارہ[۱۲] کمانیں ہیں۔ لہذا اسی مناسبت
سے اس کو بارہ دری کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ کتبے
سے ظاہر ہے۔ اس بارہ دری سے متصل و ملحق مشرقی جانب
تین کمانوں والا لکڑی کا بہترین فریم کھڑا کیا گیا ہے۔ جس پہ نقش و
نگار اور چاندی کا پتر منڈھا گیا ہے۔ زائرین اکثر اسی سمت سے
بغرض زیارت داخل ہوتے ہیں۔

حضرت علیہ الرحمہ کا مزار سنگ خارا کا ہے جس کے اطراف
حاشیہ پر محراب نما کنگرے ابھرے ہوئے ہیں۔ مزار ۵ فٹ ۸"
انچ لمبا، ۲ فٹ ۶" انچ چوڑا اور ۲ فٹ ۹" انچ اونچا ہے۔

مسجد گنبد سے متصل و ملحق شمالی جانب نواب سر خورشید
جاہ امیر پائگاہ کی یادگار ایک خوب صورت مسجد ہے
جو دالان در دالان پانچ حصوں اور پندرہ کمانوں پر مشتمل ہے
پنج وقتہ بانگ و صلوٰۃ سے آباد ہے۔

لوہے کی کمان بعد فراغ زیارت درگاہ شریف سے نیچے
اترتے ہوئے سنگ سیلو کے (۹۳) سیڑھیوں
کے بعد لوہے کی کمان ملتی ہے جس کو علی تاجی نامی کرنول کے ایک
سوداگر نے بطور نذر عقیدت بنوائی ہے۔

ٹانکی لوہے کی کمان کے بعد ہی پانی کی دو ٹانکیاں ملتی ہیں۔

مغربی سمت کی ٹانکی قدرتی ہے، اور مشرقی ٹانکی مصنوعی۔
قدرتی ٹانکی گول اور گہری ہے۔ پہاڑی شریف پر یہ پہلے سے موجود تھی لیکن بعد میں نواب محمود حسین خاں جاگیردار نبیرۂ نواب سالار جنگ مرحوم نے اس کی توسیع کی، جیساکہ موجودہ حالت میں نظر آتی ہے۔ اکثر زائرین اور حاجت منداس ٹانکی کے پانی سے غسل کرتے ہیں۔
مصنوعی ٹانکی چار پہلو ہے اور یہ نواب حمایت نواز جنگ امیر پائیگاہ کا نذرانۂ عقیدت ہے، جیساکہ اسکے کتبے سے ظاہر ہے اس ٹانکی میں نل کے ذریعہ پانی پہنچایا گیا ہے۔ زائرین اور مصلیوں کی سہولت کے لئے اس میں شمال کی طرف تین ۳، جنوبی سمت تین ۳ اور مغرب کی جانب نو ۹ جملہ پندرہ ۱۵ ٹونٹی پائپ کے لگائے گئے ہیں۔

چوبدار کی کمان یہ کمان دوسری کمانوں کے مقابلے میں چھوٹی خوب صورت، پختہ اور اوپر سے نیچے اُترتے وقت لوہے کی کمان کے بعد قدرتی ٹانکی سے متصل واقع ہے۔ لوہے کی کمان سے اس کمان تک درمیان میں صرف دس زینے اور ایک وسیع صحن ہے۔ یہ کمان مسمی شیخ احمد شاہی چوبدار کے حسن عقیدت کی یادگار ہے۔

ہری کمان چوبدار کی کمان سے .... اس کمان تک جملہ ستانوے ۹۷ زینے ہیں۔ یہ کمان نواب سر آسمانجاہ

امیر پائیگاہ نے اپنے فرزند نواب معین الدولہ کی ولادت کی یادگار میں تعمیر کروائی تھی۔

رام کشن کی کمان

یہ کمان نیچے سے اوپر جاتے وقت لنگر خانہ سے متصل پندرہ سیڑھیوں کے بعد ملتی ہے اور یہ راجہ رام کشن متصدی نواب افضل الدولہ آصفجاہ پنجم کی تعمیر کردہ ہے۔ ہری کمان سے اس کمان تک درمیان میں پچانوے ۹۵ زینے ہیں۔

لنگر خانہ

لنگر خانہ کی دو منزلہ عمارت جو ابتدائی زینوں کے پاس ہے، نواب سر وقار الامراء امیر پائیگاہ کی تعمیر کی ہوئی ہے۔ یہاں روزانہ فقیروں، غریبوں اور مقامی مستحقین کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔

بالوجی کی کمان

یہ کمان پہاڑی شریف کی شروع آبادی میں واقع ہے۔ اس کو حضرت بابا رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ کے ایک معتقد بالوجی چودھری قصاب نے ۱۲۸۰ھ میں بنوائی۔ اس کمان سے متصل ایک مسجد اور ایک باولی بھی ہے جو اسی چودھری کی یادگار ہے۔

کتبے

۱۔ یہ کتبہ سنگ مرمر میں بخط نستعلیق کندہ اور پانی کی مصنوعی ٹانکی پر نصب ہے۔

۷۸۶
۹۲
نذر عقیدت
گزرانیدہ حمایت نواز جنگ امیر پائگاہ
۱۶ شعبان المعظم خورشید جاہی سنہ ۱۳۷۳ھ

۲۔ یہ کتبہ سنگ سلو میں بخط نستعلیق کندہ اور درگاہ شریف کے مشرقی حصہ میں ایوان کی دیوار پر نصب ہے۔

بابا شرف الدین ہیں قطب دکن ٭ ہیں کرامات آپ کے سر و علن
جب بعہد خسرو عالم پناہ ٭ میر عثمان علی خاں بادشاہ
خلد اللہ تعالیٰ ملکہٗ ٭ اجری فی بحر المراد فلکہٗ
بن گئی حضرت کی درگاہ رفیع ٭ از سر نو خوشنما بہتر وسیع
لکھی افسر نے یہ تاریخ لطیف ٭ بابا شرف الدین کا ایوان شریف

۱۳۶۰ھ
فقیر مرزا حشمت علی افسر قادری رقم گزرانید

۳۔ مزار شریف کے مشرقی جانب کا لکڑی کا فریم جس پر پورا چاندی کا پتر چڑھا ہوا ہے۔ اس کی درمیانی کمان پر خط نستعلیق کا یہ کتبہ ہے۔

گزرانیدہ حقیر محمد جعفر مالک موٹر ٹکسی و سیکل بازار صحیاب خاں
چنچل گوڑہ حیدرآباد دکن
۷ ر رمضان ۱۳۶۴ھ م ۱۰ ر مہر ۱۳۵۴ف پنجشنبہ

۴۔ سنگ مرمر کا یہ کتبہ جو خط نستعلیق میں کندہ ہے۔ روضۂ مبارک کے مشرقی پہلو کی پیشانی پر نصب ہے۔

بارہ دری درگاہ حضرت بابا شرف الدین صاحب قدس سرہٗ
گزرانیدۂ نواب شمس الدولہ امیر کبیر سر خورشید جاہ بہادر

عرس شریف ویسے تو بلا ناغہ ہر پنجشنبہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف میں زائرین کی ایک خاص چہل پہل رہتی ہے۔ لیکن سالانہ عرس شریف کی افتتاحی تقریب نقارہ نوازی سے شروع ہوتی ہے، جو ہر سال غرہ شعبان المعظم کو منائی جاتی ہے۔ یہ نقارہ خانقاہ پنجہ شاہ واقع کالی کمان شہر حیدرآباد سے نکالا جاتا ہے۔ اور تانگے میں رکھ کر بجاتے ہوئے

پہاڑی شریف لیجاتے ہیں۔ اس سے عوام پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ عرس شریف کا مہینہ آگیا۔ اور اسی تاریخ سے درگاہ شریف کی ضروری ترمیم و تعمیر، آہک پاشی اور رنگ کاری شروع ہو جاتی ہے

۱۶ ماہ شعبان کی شب میں موضع بالاپور سے صندل خاص نکالا جاتا ہے۔ اس تقریب خاص کے متعلق مشہور ہے کہ ۱۶ ماہ شعبان حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش ہے۔ اور خود حضرت علیہ الرحمہ اپنی حیات طیبہ میں اس تاریخ کو مجلس وعظ منعقد فرمایا کرتے تھے۔ اور اپنے خادمین اور جانشین کو وصیت بھی کی تھی کہ وہ بھی آئندہ اسیطرح مجلس کیا کریں۔ چنانچہ جبکہ زمانۂ قدیم سے یہ رسم برابر چلی آرہی ہے۔

چونکہ زمانہ قدیم میں پہاڑی کا حصہ بالکل غیر آباد اور گھنا جنگل تھا۔ اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خادموں اور جانشینوں کی سکونت موضع بالاپور میں تھی اور وہ لوگ وہاں سے آکر خدمت عود و گل اور صفائی و روشنی وغیرہ انجام دیتے تھے۔ لہذا ان وجوہات کی بنا پر آج تک یہ طریقہ جاری ہے کہ صندل خاص بالاپور سے نکالا جاتا ہے

۱۹ ماہ شعبان المعظم کو حکومت کی جانب سے صندل چڑھایا جاتا ہے۔ اور یہ تاریخ حضرت بابا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی تاریخ ہے۔ یہ صندل عاشور خانہ پنجہ شاہ شہر حیدرآباد سے نکالا جاتا ہے۔ ۲۰ ماہ شعبان کو چراغاں ہوتے ہیں۔ بلا قید مذہب و ملت ہزاروں کی تعداد میں زائرین حاضر ہوتے ہیں میلاد شریف کی جماعتیں اور قوالوں کی پارٹیاں

بے شمار آتی ہیں۔ زبردست میلہ لگتا ہے۔

۱۹ رشعبان سے ۲۱ رشعبان تک دن اور رات آدھے آدھے گھنٹہ کے وقفہ سے چار مینار سے موٹریں دوڑتی رہتی ہیں۔ ایک آدمی کے لئے ایک طرفہ کرایہ (۳۷) نئے پیسے لیا جاتا ہے۔

۲۱ رشعبان کی صبح میں بعد نمازِ فجر قرآن پاک کا ختم اور فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ اور ۲۴ رشعبان کو رسم قل ادا کیجاتی ہے جس میں مزار شریف کے پھول اُتارے جاتے اور غسل دیا جاتا ہے۔ تازہ پھول اور نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے بعد فاتحہ سلام پڑھا جاتا اور تقریب عرس شریف ختم ہو جاتی ہے۔

عقیدت شاہانِ آصفی

شاہانِ آصفی کو اس بارگاہ سے خاص عقیدت رہی ہے۔

چنانچہ نواب ناصر الدولہ آصفجاہ رابع کے زمانہ میں پہاڑی شریف کی پختہ سیڑھیاں نیچے سے اوپر تک غیری پتھر کی بنائی گئیں اور نواب افضل الدولہ آصف جاہ پنجم کے عہد حکومت میں یہاں باغات اور محلات تعمیر ہوئے۔ نواب میر محبوب علیخان آصف جاہ سادس پہاڑی شریف پر ہی عرصے تک مقیم ہو گئے اور روزانہ بارگاہ کی زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ رئیس دکن نواب میر عثمان علیخاں آصف جاہ ہفتم نے اپنے دور حکومت میں غیری پتھر کی ناہموار سیڑھیوں کی بجائے سنگ سیلو کی موجودہ ہموار سیڑھیاں اور درگاہ شریف کی توسیع، زنانہ زینوں کی تعمیر اونل و برقی روشنی کا انتظام فرمایا۔ جزاءُ ہم اللہ فی الدارین خیر!

سید احمد باد پا رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش سنہ دہلی
وفات سنہ آٹھویں صدی ہجری
(بلدہ حیدرآباد)

سید احمد نام اور باد پا لقب تھا۔ یہ بزرگ حضرت سلطان المشائخ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے مرید اور خلیفہ تھے دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ مرشد کے حکم کی بنا پر حضرت شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ۷۰۹ھ ۱۳۰۹ء میں دہلی سے دکن آئے۔ حضرت برہان الدین اولیاء خلد آباد میں ٹھہر گئے اور حضرت علیہ الرحمہ بلدۂ حیدرآباد تشریف لاکر آصف نگر کے پہاڑی حصے میں فروکش ہوئے۔ اور ہمیشہ کیلئے یہیں رہ گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ شمالی ہند میں سلطان علاءالدین خلجی کی سطوت وجبروت کے ڈنکے بج رہے تھے۔ اور دکن کے علاقہ تلنگانہ پر جس کی راجدھانی ورنگل تھی اور جس میں حیدرآباد بھی شامل تھا "راناپرتاب رودر دیو" کی حکومت تھی بوجہ مرور زمانہ وگردش ایام حضرت علیہ الرحمہ کا مزار بالکل ٹوٹ پھوٹ کر صفحۂ زمین سے محو اور معدوم ہو چکا تھا۔ اور بظاہر کوئی نمایاں آثار و

علامات بھی باقی نہیں تھے۔ اس لئے تقریباً پانچ سو ۵۰۰ برس تک لوگ حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے ناواقف رہے۔ حضرتؒ کی ذات گرامی اور اسم مبارک عوام کے علم میں آنے کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ "بعہد حکومت رئیس دکن نواب ناصر الدولہ آصفجاہ چہارم (۱۲۴۴ھ تا ۱۲۷۳ھ) بالن چودھری قصاب کی بکریاں اس پہاڑ میں چرنے گئی تھیں، جہاں حضرت علیہ الرحمہ کا مزار ہے۔ اور اتفاق سے وہ بکریاں گم ہوگئیں۔ قصاب پریشان ہوکر مارا مارا پھرا اور ممکنہ تلاش کے باوجود بکریوں کا پتہ نہیں ملا۔ حضرتؒ کا مزار اگرچیکہ بالکل بے نام ونشان ہوچکا تھا لیکن گھاس اور مٹی کے نیچے اینٹ، چونہ اور پتھر کے کچھ ایسے آثار وہاں باقی رہ گئے تھے جس سے قبر کا گمان ہوسکتا تھا۔ چنانچہ ایک چرواہے نے بالن چودھری سے کہا کہ "یہاں ایک پرانی قبر معلوم ہوتی ہے"۔ بالن چودھری نے گھاس اور مٹی ہٹاکر دیکھا تو حقیقت میں آثار و علامات قبر کے ہی ہیں۔ چنانچہ اس نے وہیں کھڑے ہوکر نذر مانی کہ "اگر میری بکریاں مل جائیں گی تو میں سچے دل سے آپ کی نیاز کرونگا"۔ کہتے ہیں کہ اسی شب کو حضرتؒ نے چودھری کے خواب میں تشریف لاکر فرمایا کہ "میں سید احمد بادپا ہوں۔ تیری بکریاں دامن پہاڑ میں چر رہی ہیں"۔ چودھری علی الصباح خوشی خوشی بستر سے اٹھا

؎ لقب بادپا کے تعلق سے یہ روایت مشہور ہے کہ مرشد کامل حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کی یاد فرمائی پر حضرتؒ نے ایک رات میں حیدرآباد سے دہلی کا سفر کیا اور صبح ہونے تک پھر اپنے مقام واپس آگئے تھے۔ چنانچہ بادپا کا لقب مرشد کا دیا ہوا ہے۔

اور پہاڑ پر گیا اور اپنی بکریوں کو چرتے دیکھ کر پھولے نہیں سمایا۔ سچے دل سے حضرت کا معتقد ہو کر مزار کی نئے سرے سے تعمیر کی عرس کیا اور قورمہ روٹی پکوا کر محتاجوں اور غریبوں کو کھلایا۔"

اس واقعہ کے بعد رفتہ رفتہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ رئیس دکن نواب ناصر الدولہ آصف جاہ چہارم بھی مع امراء اور اعیانِ دولت کے بغرض زیارت اکثر و بیشتر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

محلہ آصف نگر فرسٹ لانسر میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مرجعِ خلائق ہے۔ اور آج بھی ہزاروں لوگ حضرت رح کے فیض جاریہ سے مستفید ہوتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ اور سال وفات کا کسی کتاب میں ذکر نہیں ہے۔ اور ہمارے ماخذ بھی اس تعلق سے خاموش ہیں۔ چونکہ حضرت رح کے ظہور نام و نشان کی تاریخ ۱۲ جمادی الاول واقع ہوئی ہے۔ اور سب سے پہلا عرس بالن چودھری نے ۱۲ جمادی الاول کو کیا تھا۔ اس لئے آج بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا عرس اسی تاریخ کو ہوا کرتا ہے۔

دیکھو حدیقہ رحمانی صفحہ ۵۵ روضۃ الاقطاب صفحہ

محل وقوع حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار موضع ملکہ پور محلہ فرسٹ لانسر میں شمالی جانب دامن پہاڑ میں مشہور خاص و عام ہے۔ مزار ایک خوب صورت اور پختہ چار دیواری میں

واقع ہے۔ یہ چار دیواری شرقاً غرباً ۳۱ فٹ ۵ انچ اور شمالاً جنوباً ۳۱ فٹ ۲ انچ ہے۔ چار دیواری میں مکمل فرش سنگ سیلو کا ہے۔ اور چاروں سمتوں میں چار دروازے ہیں۔ جنوبی دروازہ زیارت کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ چار دیواری کے اندر چاروں گوشوں میں بڑے بڑے تناور اور گھنے درخت سایہ دار ہیں۔ شمال مشرقی گوشہ کا درخت نیم کا ہے۔ باقی تینوں گوشوں کے درخت املی کے ہیں۔

مزار حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار کچی کا ہے اور بہتر حالت میں ہے۔ وہ ۶ فٹ ۸ انچ لمبا، ۳ فٹ ۹ انچ چوڑا، اور ایک فٹ ۷ انچ اونچا ہے۔ مزار کے اطراف میں حفاظت اور احتیاط کے پیش نظر لوہے کا جالی دار بلند کٹھرہ لگایا گیا ہے۔ تاکہ کوئی شخص اندر داخل نہ ہو سکے اور بے ادبی و بے حرمتی نہ ہونے پائے۔ یہ کٹھرہ ۔ ۸ فٹ ۲ انچ لمبا، ۶ فٹ ۲ چوڑا، اور ۳ فٹ ۴ انچ بلند ہے اس کٹھرہ کے چاروں گوشوں پر چار موٹی اور بلند سلاخیں نصب ہیں جن پر بطور شامیانہ کپڑا تانا گیا ہے۔

چونکہ پھول چڑھانے کے لئے مزار تک پہنچنا دشوار ہے اسلئے ۳½ فٹ لمبا لوہے کا ایک چمچہ (ڈونگا) کٹھرہ میں رکھا ہوا ہے۔ زیارت کے لئے جو لوگ آتے ہیں وہ اس چمچہ میں پھول رکھ کر مزار پر چڑھاتے اور فاتحہ دیتے ہیں۔

کتبہ یہاں دراصل کوئی کتبہ نہیں ہے البتہ چار دیواری کے

جنوبی دروازہ کے دونوں پہلوؤں پر گہرے نیلے رنگ سے
حسب ذیل اشعار جلی اور خوش خط لکھے ہوئے ہیں۔

(مشرقی سمت)

پتہ جس کے نہیں ہے نقش پا کا ؛ سفر ہوتا ہے طے یوں دلربا کا
جو دلی جا کے آئے ایک شب میں ؛ یہ وہ رتبہ ہے محسن بادپا کا

(غربی سمت)

فیض بخش گنج عالم سید احمد بادپا ؛ ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

چٹان درگاہ شریف کے قریب مغربی سمت میں صاف ستھرے پتھر کی بہت بڑی چٹان رکھی ہوئی ہے۔ جو ۷ ۱/۲ فٹ لمبی اور ۳ فٹ ۷ انچ چوڑی ہے۔ اس چٹان کے تعلق سے یہ روایت مشہور ہے کہ اس چٹان سے حضرت رحج جانماز کا کام لیتے تھے۔

عرس بستی کے چند خوش اعتقاد عوام اور وظیفہ یاب فوجی ملازمین چندہ کر کے ۱۲ جمادی الاول کو عرس کے انتظامات کرتے ہیں۔ اور دور دور تک میلہ لگا رہتا ہے۔

باب دوم

تذکرہ اولیائے حیدرآباد

قطب شاہی عہد

سنہ ۹۰۶ھ تا سنہ ۱۰۹۸ھ
۱۵۰۰ء ۱۶۸۷ء

حضرت شاہ چراغ رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش سنہ نجف اشرف ٭ وفات ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء بلدہ حیدرآباد

حضرت باباشرف الدین رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت سید احمد بادپارح کے بعد کتب تواریخ سے دکن میں جن بزرگ ہستی کا پتہ ملتا ہے وہ حضرت شاہ چراغ رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔

نجف اشرف میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی حضرت امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے باطنی حکم پر بعہد سلطان قلی قطب شاہ بانی سلطنت قطب شاہیہ دکن تشریف لائے۔ اور گولکنڈہ سے چند میل کے فاصلہ پر اس جگہ قیام پذیر ہوئے جہاں آج مقبرہ واقع ہے۔ اس وقت شہر حیدرآباد کا وجود نہ تھا۔ بلکہ یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں چچلم آباد تھا جس میں صرف برہمنوں کے چند مکانات تھے۔ برہمنوں نے حضرتؒ کی فقیرانہ متوکل زندگی اور تصرفات کو دیکھ کر کوئی مزاحمت نہ کی بلکہ رفتہ رفتہ ان کے معتقد ہو گئے۔

اور کچھ عرصہ کے بعد مستقل طور پر حضرت رح کے اطراف چند مسلمان بھی جمع ہو گئے۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے پہلے ایک معتقد کو تاکید کر دی تھی کہ "میرے کفن دفن میں جلدی نہ کرنا۔ کیونکہ مولائے کائنات جناب امیر علیہ السلام نے ایک سوداگر کو متعین فرما دیا ہے وہ تمام ضروری سامان کے ساتھ آئے گا اور میری تجہیز و تکفین کریگا۔ تم بھی اس کام میں اس کے ساتھ شریک ہو جانا اور میرا سلام کہدینا۔"

اوائل ۸۵۹ھ میں حضرتؒ نے وصال فرمایا حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی وصیت کے مطابق لوگوں نے تجہیز و تکفین میں انتظار کیا۔ آخر کار مغرب سے کچھ قبل ایک شتر سوار دور سے نظر آیا جو تجہیز و تکفین کا اسباب لئے ہوئے بہت تیزی کے ساتھ حاضر ہو گیا۔ اور تجہیز و تکفین کر کے دوسرے روز علی الصباح روانہ ہو گیا۔ لوگوں نے دریافت کیا تو اس شخص نے وہی جواب دیا جو حضرت مرحوم رح نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا۔

حضرت شاہ چراغ رح کا مزار بن جانے کے بعد سے یہ مقام مسلمانوں کی زیارت گاہ بن گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت شاہ چراغ رح اور حضرت شاہ نور الہدیٰ کے مزار اس جگہ ہونے کی وجہ سے ہی اس مقام کو مقدس اور متبرک جان کر حضرت میر محمد مومن علیہ الرحمہ پیشوائے سلطنت قطب شاہیہ نے عام مسلمانوں کے قبرستان کیلئے منتخب کیا۔

اور دائرۂ میر مومن کی بنیاد ڈالی۔

دیکھو (میر محمد مومن صفحہ ۲۷)

مقبرہ

محلۂ سلطان شاہی دائرہ میر محمد مومن میں حضرت رح کا مقبرہ کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ یہ مقبرہ دلے مقبرہ ہے۔ اس میں داخلے کے لئے مشرق اور مغرب میں دو دروازے ہیں۔ پہلا اور بیرونی چوکور مقبرہ ۷۲ فٹ ۳ انچ مربع ہے۔ اسکی ہر سمت میں تین تین ۳ جملہ بارہ ۱۲ کمانیں تھیں۔ ان بارہ ۱۲ کمانوں اور دو دروازوں میں مشرقی سمت میں ۲ دو، مغرب میں تین اور شمال میں ایک جملہ ۶ کمانیں، اور مشرقی سمت لکڑی کا جالدار ایک دروازہ باقی رہ گیا ہے۔ باقی ۶ کمانیں گر گئیں اور مغربی دروازہ چوکھٹ سمیت غائب ہے۔ اندرونی فرش مٹی کا ہے۔ اس مقبرہ کے اندر شمال مشرقی گوشہ میں ایک، مشرق میں ایک، اور جنوب میں پانچ جملہ سات قبریں سنگ موسیٰ کی ہیں۔

بڑے مقبرے کے اندر بیچوں بیچ چار کمانوں والا چھوٹا خوبصورت اور مسقف ایک مقبرہ ہے۔ اسی میں حضرت رح کا واحد مزار ہے یہ مقبرہ ۱۱ فٹ ۱۰ انچ مربع ہے۔ اس کا اندرونی فرش گچی کا ہے

مزار

پورا مزار سنگ خارا کا ہے۔ وہ ۴ فٹ ۶ انچ لمبا، ایک فٹ ۹ انچ چوڑا، اور ایک فٹ بلند ہے۔

مزار کے اطراف لکڑی کا کٹہرہ نصب ہے۔ جو ۶ فٹ ۶ انچ لمبا،

۲ فٹ چوڑا اور ایک فٹ ایک انچ اونچا ہے۔ مزار کے سرہانے
کمانی وضع کا سنگ خارا نصب ہے۔

کتبہ | یہ کتبہ مشرقی دروازے
کے اوپر سنگ سیلو میں کندہ
اور نصب ہے۔

حضرت شاہ چراغ

عرس | حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرس نہیں ہوتا
ممکن ہے قدیم زمانے میں ہوتا ہو لیکن آج بھی ہندو
مسلم عوام پوری عقیدت کے ساتھ حضرت کے مزار کی زیارت
کرتے اور فیض پاتے ہیں۔

حضرت شاہ نور الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش سنہ   وفات ۱۰۰۱ھ ۱۵۹۲ء بلدہ حیدرآباد

یہ بزرگ جو صحیح النسب سادات تھے، آخر دسویں صدی ہجری میں جب کہ شہر حیدرآباد کی بنیاد پڑ چکی تھی اور قطب شاہی حکومت کی طوطی بول رہی تھی۔ اپنے بھائی اور چند سادات رفیقوں کے ساتھ بعہد سلطان محمد قلی قطب شاہ تاجدار گولکنڈہ بلدۂ حیدرآباد فرخندہ بنیاد تشریف لائے اور مقبرۂ حضرت "شاہ چراغ" علیہ الرحمہ کے قریب میں مقیم ہو گئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری سے یہ مقام اور بھی بارونق بن گیا۔ اور دن بدن مسلمانوں کی آبادی یہاں بڑھنے لگی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی وفات سے قبل وصیت کی تھی کہ "مجھے غسل دیکر کفن پہنا کر منتظر رہیں۔ گھوڑے پر سوار ایک شخص ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے بجلی کی طرح تیز آئے گا اور وہ مجھے دفن کر جائے گا۔ لیکن تم میں سے کوئی شخص اس سے کچھ نہ پوچھے"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب حضرت علیہ الرحمہ نے ۱۰۰۱ھ ۱۵۹۲ء میں وفات پائی تو رفیقوں نے غسل دیکر اور کفن پہنا کر وصیت کے مطابق منتظر بیٹھے رہے، کچھ ہی دیر بعد

ایک سوار آیا اور زمین پر ہاتھ رکھ کر ایک بنی بنائی قبر نکالی اور
اس میں شاہ نورالہدیٰ کی نعش کو اتار کر فاتحہ پڑھی اور روانہ
ہوگیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ سوار حضرت امیرالمومنین شیر خدا مولیٰ
مشکل کشا رضی اللہ عنہ تھے۔

دائرہ میر محمدؐ مومن رحؔ میں حضرت علیہ الرحمہ کا مزار آج بھی مرجعِ خلائق ہے۔

دیکھو (میر محمدؐ مومن ص۲۷)

محل وقوع

دائرہ میر محمدؐ مومن رحؔ میں لوہے کی سلاخوں کا
جالدار سبز مقبرہ کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کا یہ مقبرہ دائرہ کے وسطی مشرقی حصے میں ہے۔ اسکی
اندرونی وسعت شرقاً غرباً ۱۷ فٹ ۲" انچ، اور شمالاً جنوباً ۹ فٹ
۴" انچ ہے۔ اس مقبرہ کی بلندی سطح زمین سے ۶ فٹ ۳" انچ ہے
مقبرہ میں گچی کا فرش ہے۔ اس میں داخلہ کا دروازہ جنوب کیطرف
ہے۔ مقبرہ میں تین قبریں سنگ موسیٰ کی ہیں۔ اور درمیانی مزار
حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔

مزار

حضرت علیہ الرحمہ کا مزار صاف شفاف اور اعلیٰ قسم کے
سنگ موسیٰ کا ہے۔ وہ ۷ فٹ ۴" لمبا اور ۴ فٹ ۴" انچ چوڑا
اور صرف ۱۰ انچ اونچا ہے۔ مقبرہ کے باہر مزار کے ٹھیک سرہانے
مٹی کا چراغدان ہے جس پر چونہ کی استرکاری کیگئی ہے۔

کتبہ

۱۔ مقبرہ کے اندر مزار کے بالکل سرہانے خط نستعلیق میں

سنگِ سیلو کا حسبِ ذیل کتبہ ہے جس کو گچی میں نصب کیا گیا ہے۔

حضرت سیّد نورالہدا

۲۔ مزار کے تعویذ پہ خطِ نسخ میں شمالی جانب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور باقی تین سمتوں میں اٰیۃ الکرسی ابھرے ہوئے حروف میں کندہ ہے۔

عرس زمانہ قدیم میں بہت ہی شاندار طریقہ پر حضرت علیہ الرحمہ کا سالانہ عرس ہوا کرتا تھا۔ فی الوقت عرس و صندل موقوف ہے لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مرجعِ خلائق ضرور ہے۔

حضرت نور اللہ حسینی چشتی رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش سنہ بیجاپور وفات سنہ ۱۰۱۵ھ بلدہ حیدرآباد
۱۶۰۶ء

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے آباو اجداد حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ کی اولاد اور مشاہیر شرفاء و معزز سادات بیجاپور سے تھے۔ حضرتؒ کی پیدائش بیجاپور میں ہی ہوئی اور وہیں پروان چڑھے مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوے بزمانۂ سلطان ابراہیم قطب شاہ (۹۵۷ھ تا ۹۸۸ھ) گولکنڈہ تشریف لائے۔ اور ہمیشہ کے لئے یہیں رہ گئے۔ سلطان محمد قلی کے زمانہ میں (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) جب گولکنڈہ کی آبادی شہر حیدرآباد منتقل ہونے لگی تو حضرت علیہ الرحمہ بھی گولکنڈہ سے حیدرآباد چلے آئے۔ اور چارمینار کے قریب موجودہ محلہ شیر گل (مٹی کا شیر) میں سکونت اختیار کیے۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ نہایت متقی اور پرہیزگار، شب بیدار اور تہجد گزار، قناعت پسند اور متوکل، شریعت و طریقت کے پابند اور اپنے وقت کے صاحب کشف و کرامات زبردست صوفی تھے سلاطین قطب شاہیہ کے پاس بڑی عزت و توقیر تھی۔

۲۸ ماہ ذی الحجہ ۱۰۱۵ھ ۱۶۰۶ء کو حضرت رح کا وصال ہوا۔ اور محلہ شیر گل میں جہاں زندگی میں سکونت تھی وہیں پر دفن ہوئے۔ اکثر حاجت مند آج بھی اپنے اغراض و مقاصد میں حضرت رح کی روحانی مدد سے کامیاب ہوتے اور بعد کامیابی نذر نیاز ادا کرتے ہیں۔

محل وقوع حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار محلہ شیر گل میں (جادید) سیدن صاحب کی مسجد سے متصل جنوب کی طرف "شکر کوٹھا" کے راستہ پر بغیر چھت کے کمرے میں واقع ہے کمرہ کا اندرونی فرش کچی کا ہے۔ کمرے کے اندر شمال مشرقی گوشہ سے کھجور کا بلند درخت اور جنوب مغربی گوشے سے گولر کا بہت گھنا اور تناور درخت مزار پر سایہ انداز ہے۔ کمرے میں داخل ہونے کے لئے جنوبی سمت میں بہرا دروازہ نصب ہے۔ فی الوقت کمرے کے اندر تین ۳ مزار اور باہر ورانڈہ میں دو ۲ مزار ہیں۔

مزار حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ایک پختہ چبوترہ پر واقع ہے چبوترہ کے چاروں طرف چار ستون نصب کرکے اس پر ٹین کی گنبد نما چھت ڈالی گئی ہے تاکہ بارش کا پانی آسانی سے بہ جائے، مزار کچی کا پختہ بنا ہوا ہے لیکن مرمت طلب ہو گیا ہے۔ فی الوقت وہ (۵) فٹ لمبا، ۳ فٹ ۳ انچ چوڑا اور فرش زمین سے ۳ فٹ اونچا ہے۔

چراغدان اور کتبے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے سرہانے

پختہ چراغدان بنا ہوا ہے جس کے دونوں بازو چراغوں کے لئے محراب بنے ہوئے ہیں۔ اور اس کے درمیان میں حسب ذیل دو کتبے نصب ہیں۔

۱۔ یہ کتبہ بخط نستعلیق سنگ سیلو میں کندہ اور نصب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
تاریخ وفات قدس سرہ العزیز
حضرت سید شاہ نور اللہ حسینی
۲۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰۱۵ ہجری

۲۔ یہ کتبہ بخط نسخ سنگ موسیٰ میں ابھرا ہوا کندہ اور کتبہ نمبر (۱) کے نیچے نصب ہے۔

الحکم للہ
اللھم صل علی النبی والہ والسو... وصی....
والسبطین والسجاد والباقر
والصادق والکاظم والرضا والنقی
والنقی والعسکری والمھدی علیہم....

عرس زمانۂ قدیم میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ۲۸ ذی الحجہ کو ہوا کرتا تھا لیکن آج متواتر کئی سال سے عرس موقوف ہے۔

حضرت مومن چُپ رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش ایران   وفات ۱۰۲۵ھ ۱۶۱۵ء بلدہ حیدرآباد

میر مومن حسین نام، سیف اللہ لقب اور شاہ مومن چُپ عرف تھا۔ سادات رضوی سے تھے چشتیہ طریقہ کے بڑے صاحب دل وصاحب تصرف بزرگ تھے۔ اور حضرت خواجہ امین الدین اعلیٰ چشتی بیجاپوری رحمتہ اللہ علیہ کے معاصرین میں سے تھے کئی ممالک کی سیر کرتے ہوئے ساٹھ فقیروں کے ساتھ بزمانہ سلطان محمد قطب شاہ تاجدار گولکنڈہ (سنہ ۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ) ایران سے بلدہ حیدرآباد تشریف لائے۔ اور محلہ علی آباد میں قیام فرمایا۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا زیادہ وقت یاد الہٰی میں گزرتا تھا ہمیشہ تنہا رہے اور زندگی بھر کوئی عقد نہیں کیا۔ بات چیت نہیں کرتے تھے۔ اہل غرض اور حاجت مندوں کا جواب حرکات سے ظاہر ہوجاتا تھا۔ اس لئے شاہ مومن چُپ کے نام سے مشہور ہوگئے۔

۱۱ ماہ صفر سنہ ۱۰۲۵ھ م سنہ ۱۶۱۵ء کو حضرت علیہ الرحمہ نے انتقال فرمایا

اور اسی جگہ دفن ہوئے، جہاں زمانۂ حیات میں فروکش تھے۔
محلہ علی آباد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ سالانہ عرس ہوا کرتا ہے۔ سلاطین آصفیہ کو حضرتؒ کی بارگاہ سے خاص عقیدت تھی۔ ہر سال عرس کیلئے معمول مقرر تھا اور روزانہ پنجوقتہ نوبت نوازی ہوتی تھی۔ گو آج یہ صورتیں باقی نہیں ہیں
دیکھو گلزار آصفیہ صفحہ ۳۵۸، حدیقہ رحمانی صفحہ ۵۶۳، اولیائے دکن جلد دوم صفحہ ۸۲۵

محل وقوع حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ علی آباد سے لال دروازہ کو جانے والی سڑک کے داہنی جانب بہت ہی وسیع اور قدیم قبرستان میں کشادہ اور مضبوط احاطہ میں چار دیواری کے اندر واقع ہے۔ یہ چار دیواری فرش سے آراستہ اور شمالاً جنوباً ۴۰ فٹ، شرقاً غرباً ۱۱ فٹ ۹ انچ ہے چار دیواری میں مشرق و مغرب اور جنوب کی طرف ایک ایک دروازہ نصب ہے۔ جنوبی سمت کا دروازہ زائرین کی آمد و رفت کیلئے ہر وقت کھلا رہتا ہے۔

مزار حضرت علیہ الرحمہ کا مزار گچی کا پختہ بنا ہوا ہے اور بہتر حالت میں ہے۔ وہ ۷ فٹ ۵ انچ لمبا، ۴ فٹ ۳ انچ چوڑا اور ۲ فٹ اونچا ہے۔

خانقاہ اور نقار خانہ درگاہ شریف کی مغربی سمت میں کسی قدر فاصلہ پر وسیع اور پختہ خانقاہ ہے۔

جس میں فی الوقت درگاہ شریف کے متعلقہ اشخاص اور متولی کی بودوباش ہے۔ وسیع قبرستان کے پہلے دروازہ پر ہی احاطۂ درگاہ سے کسی قدر فاصلہ پر سفال پوش نقارخانہ تھا جو اب ٹوٹ پھوٹ گیا ہے لیکن اس کے کچھ آثار آج بھی باقی ہیں۔

کتبے

۱۔ چار دیواری کے اندر مزار کے سرہانے سنگِ سیاہ کا ایک کتبہ نصب ہے جس پر خط نسخ میں "الحکم ملک اللہ" اور درود شریف کندہ ہے۔ جس کے حروف کچھ تو ٹوٹ کر اور کچھ چونہ مٹی چڑھ کر کتبہ تقریباً ناقابل قرأت بن گیا ہے۔

۲۔ مغربی دروازہ کی چوکھٹ جو سنگ موسئی کی ہے۔ اس کی پیشانی پر خط نسخ میں یہ اشعار اور کلمۂ طیبہ ابھرے ہوئے حروف میں کندہ ہے

بلغ العلےٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ	
۷۲۲ھ	لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ۷۲۲ھ

۳۔ ابھرے ہوئے حروف کا یہ کتبہ سنگ موسئی میں مغربی دروازہ کے دائیں پہلو میں لگا ہوا نصب ہے۔

علی ولی اللہ
وصی رسول اللہ

۴۴ - یہ کتبہ احاطہ کے صدر دروازہ پر سنگ موسیٰ میں نصب ہے
جس پر خط نسخ میں حسب ذیل فارسی قطعہ کندہ ہے۔ ع

وقت قطب زماں بآسانی	سال فوتش بگفت عالم غیب
بر ریاض بہشت نورانی	بروِیش یاد جنت ارزانی

۱۰۲۲ء

ع ہ شاعر نے "جنت ارزانی" ہیں جس کے اعداد (۱۰۲۲) ہوتے ہیں۔
سال وفات نکالا ہے لیکن (۱۰۲۲) کا عدد بوجوہات ذیل حضرت علیہ الرحمہ
کا سن وفات نہیں ہو سکتا۔

۱- تمام مورخین نے متفقہ طور پر حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا سال وفات ۱۰۲۵ھ تسلیم کیا ہے
۲- جمہور مورخین نے شاہ مومن چپ رح کو حضرت امین الدین علی اعلیٰ بیجاپوری
کے معاصرین میں بتلایا ہے۔
۳- جملہ تذکرہ نویسیوں نے لکھا ہے کہ سلطان محمد قطب شاہ (۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ)
فرمانروائے گولکنڈہ کے زمانہ میں شاہ صاحب علیہ الرحمتہ حیدرآباد تشریف لائے۔
پس ان تمام تاریخی قوی دلائل کی روشنی میں حضرت رح کا سال وفات ۱۰۲۵ھ
ہی بالکل صحیح ہو سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ کتبہ نمبر (۲) دیکھکر شاعر کو غلط فہمی ہوئی اور
وہ پنجہ (نشان علم) میں ۱۰۲۲ کا سادہ عدد دیکھکر اسکو ۱۰۲۲ھ سمجھ لیا اور اسیکو حضرت رح کا
سنہ وفات تصور کر لیا۔ دراصل ۱۰۲۲ھ کے عدد سے "یا مشکل کشا" کا مدعا اسم
فاعل نکلتا ہے۔ چنانچہ اس کی تائید کتبہ نمبر (۳) سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت میر محمد مومن رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش ۹۶۰ھ استرآباد — وفات ۱۰۳۴ھ ۱۶۲۵ء بلدۂ حیدرآباد

سلطنت قطب شاہیہ کے پیشوائے اعظم، بلدۂ حیدرآباد کے مشہور تعمیر کار اور مصلح، بانئ دائرۂ میر مومن اور سادات رضوی سے تھے۔ شجرۂ نسب حسب ذیل ہے۔

میر محمد مومن بن سید علی شرف الدین سماکی بن سید یعقوب بن سید محبوب، بن سید سبحان بن سید رحمان بن سید سلطان بن سید احمد بن سید نور خدا بن سید شمس الدین بن سید اسحاق بن سید حمید اللہ بن حضرت سیدنا امام ابی الحسن علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ۔

حضرت کے خاندان کا تعلق استرآباد (ایران) کے مشاہیر سادات سے تھا۔ سلاطین اور امرائے ایران حضرت کے آباواجداد کی بڑی عزت کرتے تھے۔ حضرت رح کی ابتدائی تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی تھی۔ چنانچہ بہت تھوڑے عرصہ میں علوم معقول و منقول کے علاوہ حدیث اور ادب، فقہ اور تفسیر، نجوم اور جفر، فتح عزیمت اور تسخیر جنات میں انتہائی کمال حاصل کرلیا۔ سید علی نورالدین موسوی شوستری سے

شرف تلمذ حاصل تھا۔ سنہ ۹۸۶ھ میں شاہ طہماسپ صفوی شاہ ایران کے ولی عہد حیدر مرزا کے اتالیق مقرر ہوے۔ اور محرم سنہ ۹۸۹ھ میں ایران چھوڑ کر حیدرآباد چلے آئے۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ سے عبداللہ قطب شاہ کے زمانے تک تقریباً چالیس سال کی طویل عزت وعظمت اور پیشوائی و وکالت مطلق کی جلیل القدر خدمت انجام دی ساڑھے چار ہزار روپیہ ماہانہ حضرت رح کا مشاہرہ مقرر تھا۔
قطب شاہی دور حکومت میں شہر حیدرآباد کی تعمیر اور شہدائے کربلا کے نام سے علمہائے مبارک کی استادگی حضرت کے عہدۂ پیشوائی کے نتائج ہیں۔ حضرت کا مکان وہاں تھا جہاں آج پرانی حویلی کی عمارتیں ہیں۔
حضرت رح نہایت متواضع اور منکسر المزاج، راستباز اور دیانتدار ہمدرد اور فیض رساں تھے۔ ہر مسافر اور مستحق کی سرپرستی فرماتے اور غریبوں کے کفن دفن کا انتظام اپنے ذاتی صرفہ سے کرتے تھے باوجود امیر اعظم اور مقتدر عہدہ دار ہونے کے وہ آخر عمر تک برابر روزانہ اپنے علم و فضل سے تشنگان علم کو درس و تدریس سے سیراب کرتے تھے۔ مولانا حسین ابن محمود شیرازی اور علامہ شیخ محمد ابن خاتون حضرت علیہ الرحمہ کے خاص دست گرفتہ اصحاب ہیں۔ حضرت عربی و فارسی نظم و نثر پر کافی عبور حاصل تھا۔ مومن تخلص فرماتے تھے۔ صاحب تصنیف و تالیف تھے۔ صرف دو قلمی یادگاروں کا اس وقت تک پتہ چل سکا۔ ایک رسالۂ مقداریہ جو فن اوزان پر ہے۔ اور دوسری

کتاب علم حدیث میں کتاب الرجعت ہے۔

حضرت رح کے تصرفات اور روحانی فیوض کا سلسلہ آج بھی برابر جاری ہے۔ حضرت کے صرف ایک ہی صاحبزادے میر مجد الدین محمد تھے جو چالیس سال کی عمر میں اپنے بوڑھے باپ کی زندگی ہی میں دنیا کو خیرباد کہہ کر چھوٹے بچوں اور ضعیف باپ کو جدائی کا داغ دے گئے۔ بیٹے کی جوانمرگی کا حضرت رح پر اتنا غیر معمولی اثر ہوا کہ ان کے چہلم تک یہ بھی اُن سے جا ملے۔

۲ ہر جمادی الاول سنہ ۱۰۳۴ھ م سنہ ۱۶۲۵ع دوشنبہ کے دن حضرت علیہ الرحمہ کا وصال ہوا۔ اور دائرہ میر واقع محلہ سلطان شاہی بلدۂ حیدرآباد میں اپنے بنائے ہوئے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ حدائقِ رحمانی میں حضرت رح کی تاریخ انتقال ۲۶ ر شعبان سنہ ۱۰۳۶ھ درج ہے۔ اسی لحاظ سے حضرت رح کا سالانہ عرس ۲۶ و ۲۷ ر شعبان کو ہوا کرتا ہے۔

دیکھو تزک محبوبیہ جلد اول صفحہ ۵۰، حدائقِ رحمانی، میر محمد مومن صفحہ ۲۴۴

مقبرہ حضرت علیہ الرحمہ کا مقبرہ محلہ سلطان شاہی کے مشہور قبرستان میر کا دائرہ میں واقع ہے۔ یہ قبرستان بحالت موجودہ ہری باؤلی سے شاہ علی بنڈہ کو جانے والی سڑک کے بائیں جانب جنوبی سمت میں ہے۔ جس کا عالی شان صدر دروازہ بالکل لب سڑک ہے۔ قبرستان کیلئے اس زمین کو حضرت رح نے ذاتی صرف سے

خرید کر اپنی زندگی میں ہی عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا چنانچہ آج ساڑھے تین سو ۳۵۰ برس سے مسلمان اس جگہ دفن ہوتے چلے آر ہے ہیں۔ یہ قبرستان حضرت رح کے ہی نام سے موسوم ہے۔

اس وسیع قبرستان میں حضرت رح کا مقبرہ صدر دروازہ کے ٹھیک جنوبی سمت میں واقع ہے۔ وہ (۳۱) فٹ لمبا ۱۸ فٹ ۴ہ چوڑا، نہایت پختہ اور مضبوط جالدار کمانوں کا ہے۔ فرش عمدہ پتھر کا ہے۔ مقبرے کا دروازہ مشرقی سمت میں ہے۔ جس کی چوکھٹ بہترین سنگ موسیٰ کی ہے۔ مقبرے کے اندر تین صفوں میں قبور ہیں پہلی صف میں دو ۲، دوسری صف میں چھ ۶ اور تیسری صف میں سات ۷۔ اس طرح جملہ پندرہ ۱۵ قبور ہیں اور یہ سب قبریں سنگ موسیٰ کی ہیں

مزار

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار درمیانی صف میں مغرب کی طرف سے دوسرے نمبر پر ہے۔ پورا مزار بہترین سنگ موسیٰ کا ہے۔ وہ ۶ فٹ لمبا، ۳ فٹ چوڑا اور ایک فٹ اونچا ہے مزار کے اطراف میں لکڑی کا خوب صورت چوکھٹا ۶ فٹ ۱۱ انچ لمبا اور ۳ فٹ ۸ہ انچ چوڑا نصب ہے۔ جس میں سطح زمین سے سات انچ بلندی تک لوہے کی میخیں لگائی گئی ہیں۔

کتبہ

مزار کے تعویذ پر کسی قسم کی تحریر نہیں ہے۔ وہ بالکل صاف اور سادہ ہے۔ مزار کے سرہانے کمانی وضع کا کالا پتھر نصب ہے۔ یہ بھی بالکل صاف اور چکنا ہے۔ کسی قسم کی تحریر اس پر

کندہ نہیں ہے۔ البتہ مقبرے کے دروازہ کے اوپر سمنٹ میں یہ عبارت کندہ ہے۔

حضرت میر مومن رحمتہ اللہ علیہ

مسجد اور غسل خانہ صدر دروازے سے قبرستان میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ کیطرف چھوٹی سی مسجد اور غسل خانہ اموات ملتا ہے۔ غسل خانے کے اندر چھوٹا سا حوض ہے۔ جہاں مردوں کو غسل دیا جاتا ہے۔

بڑا حوض اور نقار خانہ صدر دروازہ کے اوپر نقار خانہ کی عمارت ہے۔ جہاں کسی زمانہ میں (راقم الحروف کا زمانۂ طفلی) روشن چوکی اور نوبت ہر روز بجا کرتی تھی۔ اور غسل خانے کے مقابل بڑا حوض ہے۔ جہاں زائرین وضو کرتے اور عوام نہاتے دھوتے ہیں۔

عرس حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا عرس ہر سال ۲۶ و ۲۷ ر ماہ شعبان کو پابندی سے ہوتا ہے۔ مصارف عرس کے لئے حضور نظام کے پرائیویٹ اسٹیٹ سے کچھ رقم بھی ملتی ہے زمانۂ عرس میں زائرین اور معتقدین کی کثرت رہتی ہے۔ مولوی میر عباس علی صاحب جو حضرت علیہ الرحمہ کی اولاد سے ہیں۔ اس درگاہ کے متولی اور سجادہ نشین ہیں۔

حضرت مخدوم سالار چشتی رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش سنہ وفات ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۵ء بلدہ حیدرآباد
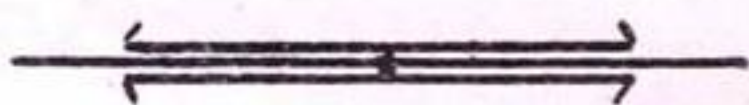
سید شاہ مخفی الحسینی چشتی نام، مخدوم سالار اور خواجہ سالار عرف تھا۔ صحیح النسب سادات تھے۔ حضرت شاہ ابوالحسن سید لسانی رح کے مرید و خلیفہ اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ درویش با صفا اور صاحب تسلیم و رضا۔ سلسلۂ چشتیہ بہشتیہ کے زبردست پیر طریقت اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ اسم با مسمیٰ تھے۔ ہمیشہ گوشہ خلوت و قناعت میں مخفی رہے۔ سینکڑوں معتقدین حضرت رح کی توجہ سے سیراب اور کامیاب ہوتے تھے۔ حضرت رح کے خرق عادات کو دیکھ کر عام طور پر لوگ جادوگر اور عامل تصور کرتے تھے۔

۷ ماہ صفر المظفر ۱۰۳۵ھ م ۱۶۲۵ء کو بعہد سلطان محمد قطب شاہ تاجدار گولکنڈہ فوت ہوئے۔ بیرون لال دروازہ

حضرت رحؒ کا مزار پرانوار مرجع خلائق ہے

دیکھو گلزار آصفیہ صفحہ ۳۶، حدیقہ رحمانی صفحہ ۶۴۵۔ تذکرۂ اولیائے دکن جلد دوم صفحہ ۴۳۴ ۸

محل وقوع حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا مقبرہ لال دروازہ کے باہر تھوڑے سے فاصلہ پر دائیں جانب سڑک سے قریب ایک وسیع احاطہ میں واقع ہے۔ مقبرہ کے اطراف قبرستان ہے۔ جس میں زمانۂ قدیم سے حضرت رحؒ کے معتقدین دفن ہوتے آرہے ہیں۔ اور اکثر قبور پر تاریخی سنگ مزار نصب ہے چنانچہ راقم الحروف فقیر طالع کے استاد محترم حضرت مولینا ترک علی شاہ قلندر رحؒ نوری الحلمی المتخلص بہ ترکی متوفی ۱۳۴۷ھ اور ان کی اہلیہ محترمہ بھی اسی قبرستان میں مقبرہ کے قریب آسودۂ خواب ہیں۔

حضرت علیہ الرحمہ کا مقبرہ ۲۴ فٹ مربع ہے۔ اور اچھی حالت میں ہے اور اس کی چھت نہایت مستحکم اور سنگ بستہ ہے۔

؏ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے سال وفات میں مورخین کو اختلاف ہے کسی نے سال وفات ۱۰۴۰ھ لکھا ہے تو کسی نے ۱۰۳۵ھ بتلایا ہے اور کسی نے تاریخ اور مہینہ نہیں لکھا لیکن ہم اول الذکر سنہ وفات کو سہو نظری یا سہو کتابت پر محمول کرتے ہیں۔ اور ۷ صفر ۱۰۳۵ھ کو ہی صحیح سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ احاطہ کا کتبہ ہمارے خیال کی تائید میں ہے۔

باقی بر صفحہ (۵۲)

فرش سنگ سیلو سے آراستہ ہے۔ اس میں داخل ہونیکے لئے تین سمتوں مشرق و مغرب اور جنوب میں دروازے نصب ہیں۔ سرہانے کی جانب بہت بڑا چراغدان بنا ہوا ہے۔

مزار

مقبرہ میں واحد مزار حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ مزار سنگ خارا کا ہے۔ وہ ۵ فٹ ۲" انچ لمبا، ۲ فٹ ۱۱" انچ چوڑا، اور ۲ فٹ ۵" انچ اونچا ہے۔ مزار کے اطراف میں لکڑی کا خوب صورت کٹہرہ نصب ہے۔ یہ کٹہرہ ۷ فٹ ۱" انچ لمبا، ۵ فٹ ۳" انچ چوڑا اور ایک فٹ ۲" انچ بلند ہے۔

پتھر کی کشتی اور مسجد

مقبرہ کے باہر مغربی دروازہ سے متصل پتھر کی گول اور خوب صورت کشتی زمین پر رکھی ہوئی ہے۔ اس قسم کی چھوٹی بڑی کشتیاں عام طور پر سلسلۂ چشتیہ کے صوفیائے کرام کی درگاہوں پر نظر آتی ہیں۔ اس کشتی کا قطر ایک فٹ ۱۰ انچ اور بلندی ایک فٹ ۲" انچ ہے۔
احاطہ کے اندر مقبرہ سے چند قدم کے فاصلہ پر چھوٹی سی مسجد ہے جس میں روزانہ پانچ وقت کی نماز اور جمعہ کی نماز پابندی سے ادا ہوتی ہے۔ چنانچہ راقم الحروف کے استاد محترم حضرت ترکی مرحوم اپنے شاگردوں کے ساتھ اسی مسجد میں پابندی سے نماز جمعہ ادا فرماتے تھے۔ مصلیوں کی سہولت کیلئے مسجد میں نل کا انتظام ہے۔

کتبہ

احاطہ کا دروازہ شمالی جانب ہے۔ اس کی پیشانی پر سنگ موسیٰ میں بخط نستعلیق اُبھرا ہوا

کندہ حسب ذیل تاریخی کتبہ نصب ہے۔

یا مخفی الحسینی بندہ نواز
۱۰۳۵ھ

عُرس حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرس ۷، ماہ صفر کو پابندی سے ہوا کرتا ہے۔ مقامی خوش اعتقاد اور مخیر حضرات آپس میں چندہ جمع کرکے عرس کرتے ہیں۔ میلاد خوانی اور قوالی ہوتی ہے۔

ع ۵ دوسری وجہ یہ کہ استاد مرحوم حضرت تُرکی قلندر جو ایک صاحب باطن درویش اور عالی مقام صوفی تھے وہ حضرت شاہ مخفی رح کے تعلق سے فرمایا کرتے تھے کہ" بڑی عظیم المرتبت ہستی ہے۔ بڑی قوت والے ہیں۔ قطب شاہی دور کے صوفی ہیں"۔ لہذا سنہ ۱۱۴۰ھ کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آصفجاہی دور رہتا ہے۔
پس اس لحاظ سے حضرت رح کی تاریخ وفات ۷ صفر سنہ ۱۰۳۵ھ ہی قرین قیاس اور درست ہے۔

حضرت میراں حسین حموی بغدادی رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش ۹۶۰ھ سنہ حماۃ ۔ وفات ۱۰۴۹ھ سنہ ۱۶۳۸ء بلدہ حیدرآباد

حضرت سید شاہ میراں حسین حموی پورا نام، شاہ ابدال لقب اور غوث الثانی عرف تھا۔ حسب مندرجہ ذیل چودھویں پشت میں حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہوتے تھے۔

سید شاہ میراں حسین بن سید شاہ مسعود حسن الحسینی قادری البغدادی الحموی بن سید جلال الدین بن سید علی بن سید عبداللہ بن سید مرشد بن سید محمد قاسم بن سید حسین ثانی بن سید موسیٰ بن سید محمد .... بن سید حسین بن سید احمد بن قاضی القضاۃ سیدنا عماد الدین ابی صالح نصر محمد قادری بن قطب الآفاق سید تاج الدین عبدالرزاق قادری بن شیخ الثقلین غوث الکونین الشیخ والسید سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت شاہ ابدال ملک عراق کے مشہور اور مردم خیز شہر حماۃ میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر سے ہی علوم ظاہری کی تحصیل کے ساتھ

ساتھ طلب حق کا جذبہ باطن میں موجزن تھا۔ لہذا ریاضات و مجاہدات شاقہ کی محنتیں برداشت کرنے کے بعد پدر بزرگوار رح سے نعمت بیعت اور خرقۂ خلافت حاصل کر کے عوام کی رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ اور عین عالم شباب میں وطن سے ہجرت کر کے بعہد سلطان ابراہیم قطب شاہ (۹۵۷ھ ۱۵۵۰ء تا ۹۸۸ھ ۱۵۸۱ء) اکیتوا نفوس مریدوں اور معتقدوں کے ساتھ گولکنڈہ تشریف لائے بوجہ کمال عقیدت و سعادت سلطان ابراہیم نے اپنی لڑکی شاہزادی کلثوم سلطان کو حضرت علیہ الرحمہ کے عقد نکاح میں دیا تھا۔ جن کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

آخر عمر تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ موضع ملکہ پور (لنگر حوض) متصل قلعہ گولکنڈہ میں سکونت پذیر رہے۔ ۱۳ر جمادی الاول عہ ۱۰۴۹ھ م ۱۶۳۸ء کو نوّد (۹۰) سال کی عمر میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ اس لحاظ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سال ولادت ۹۶۰ھ م ۱۵۵۳ء قرار پاتا ہے۔ متصل قلعہ گولکنڈہ لنگر حوض کے تالاب کے شمالی جانب تحصورہ چوکھنڈی میں حضرت علیہ الرحمہ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ حضرت رح کے پانچ صاحبزادے

عہ "ابدال بغداد" بہترین مادہ سال وفات ہوسکتا ہے جسکو ترتیب تذکرہ کے وقت راقم الحروف نے برآمد کیا ہے۔ ۱۰۴۹ھ

تھے۔ سید عبد القادر، سید عبد الوہاب، سید سعد الدین، سید اسعد اللہ، سید محمد اور سید عبد الرزاق۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ بالکل متوکل علی اللہ اور قائم اللیل تھے۔ دنیا و ما فیہا سے کسی قسم کا تعلق نہیں تھا توکل اور استغناء کا یہ عالم تھا کہ لوگ نذر نذرانے لاتے لیکن حضرت قبول نہیں فرماتے تھے۔ بہت ہی رقیق القلب تھے۔ حاجتمند کی طرف بہت جلد رجوع فرماتے تھے۔ کمال زہد و تقویٰ اور روحانی عظمت کا یہ حال تھا کہ ایک دنیا حضرت کے ملاقات کی متمنی رہتی تھی اور خاص و عام فیض عرفان سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ کے کشف و کرامات اور خوارق عادات کے بے شمار واقعات ہیں، مشہور واقعہ یہ ہے کہ اتفاق سے ایک مرتبہ تین روز تک حضرت رح کے ہمراہی نفوس کو کھانے کے لئے کوئی چیز میسر نہیں آئی۔ چوتھے دن استقلال خاں امیر دربار قطب شاہی نے بحکم سلطان محمد قلی تاجدار گولکنڈہ پچاس خوان حضرت رح کے پاس بھیجے۔ حضرت رح نے خوان لئے اور اس میں سے فقراء اور مریدین کو کھانا تقسیم فرمایا اور پھر خوانوں کو باندھ کر واپس کر دیا۔ شاہی ملازمین نے جب خوانوں کو کھولا تو تمام کھانے بجنسہٖ آراستہ دیکھے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر استقلال خاں اسی وقت حاضر خدمت ہوا اور حضرت رح کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔

دیکھو مشکوٰۃ النبوۃ صہ۳۲ ، حدیقہ رحمانی صہ۵٦ ، تذکرہ اولیائے دکن جلد دوم صہ۸٦۲ ، کشف قبوری

محل وقوع حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار محلہ لنگر حوض کے چوراہے کی شمالی سڑک کے کنارے بائیں جانب ایک محصورہ چوکھنڈی میں واقع ہے۔ جس کو صرف ایک ہی دروازہ جنوب کی طرف ہے۔ قطب شاہی طرز تعمیر کی یہ چوکھنڈی ۱۸ فٹ ۲ انچ مربع ہے۔ چھت پختہ اور فرش سنگ مرمر کا ہے۔ چوکھنڈی کے اندر دو مزار ہیں۔ ایک حضرت علیہ الرحمہ کا اور دوسرا زنانی غالباً حضرتؒ کی اہلیہ محترمہ کا ہے۔

مزار حضرت علیہ الرحمہ کا مزار گچی کا پختہ ہے اور ہنوز اچھی حالت میں ہے۔ وہ ۴ فٹ ۱۰ انچ لمبا، ۲ فٹ ۲ انچ چوڑا، اور ایک فٹ ۷ انچ بلند ہے۔ دونوں قبور کے اطراف تقریباً ایک فٹ بلند سنگ مرمر کی دیوار ہے۔ اس کے جنوبی پہلو کے ایک گوشے پر حسب ذیل عبارت کندہ ہے۔

گزرانیدہ
لفٹننٹ کرنل میر محی الدین علیخاں۔ ناظم نظم جمعیت صرف خاص مبارک

سنگ مرمر کے کٹہرہ کے اندر دونوں قبور کے اطراف مضبوط لکڑی کے بارہ ستون نصب کر کے ٦ فٹ ۱۰ انچ بلند چوکھٹا کھڑا کیا گیا ہے

جس کی ہر سمت میں تین تین کمانیں ہیں۔ مزار شریف پر شتر مرغ کا انڈا اور متعدد درخواستیں، پھول اور پنکھے آویزاں ہیں۔ چوکھنڈی کے اندر اور باہر برقی روشنی کا انتظام ہے۔

کتبے ۱۔ چوکھنڈی کے باب الداخلہ پر سنگ سیلو کی ایک چھوٹی سی تختی پر بخط نستعلیق حسب ذیل کتبہ دیوار میں نصب ہے۔

> درگاہ حضرت سید میراں حسینی بغدادی قدس سرہٗ
> سید غلام رسول روبروئے مکہ مسجد

حضرت رحمۃ اللہ کا صحیح نام سید میراں حسین ہے۔ لیکن عام طور پر لوگ سید میراں حسینی کہتے ہیں۔

۲۔ سنگ سیلو کا یہ کتبہ راقم الحروف فقیر کے استاد محترم و مرشد کامل حضرت مسرت علیہ الرحمہ کا ہے اور باب الداخلہ کے مشرقی جانب دیوار میں نصب ہے۔

> بائے برکت سین سامع میم مالک ہست میم
> ذات معبود است اللہ وصف رحمٰن و رحیم
>
> آل احمد چوں نہالان گلستان بہار
> گلشن بغداد آمد غیرت صد لالہ زار

در ازل آں نقشبندے راست کرد ایں نقش را
ہر زماں از قدرتش باشد بہر رنگ آشکار

تاجدارِ اولیا محبوبِ حق والا صفات
حسنِ سیرت ہم شجاعت داشتہ والا تبار

در دو عالم آنچہ خواہی تو بیا طالب بخواہ
گاہ اعجازِ مسیحا گہ ز بائش ذوالفقار

گر فنا خواہی بیا و جاں نثارِ او بشو
ہمچو پروانہ بسوزی بر جمالِ روئے یار

تا بکئے در غفلتی بیدار شو اے مست خواب
تو بیا بر آستان وجوئے فضلِ کردگار

بگذر از قیدِ خودی بر عالم بالا برو
شو فدا منصور آسا بنگری نارِ روئے یار

مشت خاکت از کجا و تو صدائے کیستی
در نہانِ خویشتن بنگر شوق بینی بے قرار

جز خطا از خاک من در پیشِ تو آید چہ چیز
ناتوانم ختہ حالم اشکبارم حال زار

مستِ مئی کردہ مرا ساقی چہ پرسی مستیم
من غلامانِ غلامم درگہِ عالی وقار

فضلِ رب بر حالِ من فردا چہ غم روزِ شمار
دستِ من در دامنِ میراں حسینی استوار

۳- باب الداخلہ کے مغربی پہلو کا حسب ذیل کتبہ احمد منیر الدین فاروقی قاضی پربھنی پرستار شاہد ٹیکمال کا ہے۔ اور یہ سنگ موسیٰ میں بخط نستعلیق کندہ ہے۔

۲۸۶

اے دل پناہ گیر بہ سرکار قادری ۱ جائے پناہ تست بہ دربار قادری

پیش آ خمش نشیں و بداں نکتہ نہاں ۲ کارِ کریم و کارِ سخی کار قادری

بر یک سوال نعمت ہر دو جہاں رسد ۳ دستِ کریم و پنجۂ دربار قادری

اوجِ خیال ماست کجا رفعتش ببیں ۴ دربار لایزال درِ بارِ قادری

قرب قرابت است بہ قرب فراقش ۵ اقبال رونمارست بانکار قادری

سرسبز و پائمال و نشاط نگاہبان ۶ مانند سبزہ باش بہ گلزار قادری

می باش باادب کہ بخلوت سرائے راز ۷ عرش آشناست سایۂ دیوار قادری

دیوانہ وش مودب دیوان دیں پناہ ۸ پرستش کند زشاہ پرستار قادری

پابند درد و سوز طلب گار کبریا ۹ آزاد از دو کون گرفتار قادری

منصور وار بر سر دارم کشوں مرا ۱۰ فارغ نمود صولت سردار قادری

در بحر فضل غوطہ زنی میکند منیر ۱۱ شد نور اخدیت در شہوار قادری

میراں حسینی است امیر و فقیر را ۱۲ شاہی دہد بہ ہمت و ایثار قادری

چوکھنڈی کے باہر سیلو کا فرش ہے۔ متعدد قبور حضرت رح کے ہمراہی فقراء اور متعلقین کے ہیں جو ایک وسیع احاطہ میں محصور ہیں۔ احاطے کے اندر چوکھنڈی کے دروازہ کے محاذی چند قدم کے فاصلہ پر شاہزادی

کلثوم سلطان کی قبر سنگ موسیٰ کی ہے۔

باولی اور باورچی خانہ

درگاہ شریف کے وسیع احاطے سے متصل مشرقی جانب بہت بڑی پختہ باولی ہے۔ اس کا پانی میٹھا ہے۔ بہت پہلے جب کہ درگاہ شریف میں نل کا انتظام نہیں تھا، اسی باولی کا پانی موٹھ کے ذریعہ کھینچکر ضروریات میں استعمال ہوتا تھا لیکن آج بھی اہل حاجت اور عقیدتمند درگاہ شریف میں آکر اسی باولی کے پانی سے غسل کرتے ہیں۔

باولی کے قریب ہی خانقاہ کے عقبی حصے میں باورچی خانہ ہے جسکی چھت پتھر کی اور فرش مٹی کا ہے۔ عرس شریف کا پکوان اسی جگہ ہوتا ہے اور اس کے صحن میں شامیانہ کھڑا کر کے مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ باورچی خانہ کے صحن میں بہت بڑا پختہ حوض ہے۔ جو عرس شریف کے موقع پر نل کے ذریعہ پانی سے لبریز رہتا ہے

عرس

حضرت رح کا عرس سالانہ ماہ ذی الحجہ کی ۲۷ تا ۲۹ تاریخوں میں پابندی سے ہوتا ہے اور ۱۳ جمادی الاول (ماہ وصال) کو جو فاتحہ ادا ہوتی ہے وہ چھوٹا عرس یا صندل تورز سے موسوم ہے۔ سالانہ عرس کے موقع پر خصوصی مہمانوں کے علاوہ غرباء اور مساکین کو بھی کھانا کھلایا جاتا ہے زائرین اور معتقدین کی کافی چہل پہل رہتی ہے۔ بعد نماز مغرب چراغاں قلعہ گولکنڈہ کے فوجیوں کی جانب سے جلوس کے ساتھ اونٹ پر چادر گل لائی جاکر سجادہ صاحب کے ہاتھ سے مزار پاک پر چڑھائی جاتی ہے۔ بزمانہ عرس میں مقامی پولس کا معقول انتظام رہتا ہے۔ اس خاندان کے موجودہ چشم و چراغ حضرت مولانا سید شاہ سعد الدین محمد قادری صاحب سجادہ نشین درگاہ شریف ہیں۔

حضرت شاہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش سنہ شبلہ علاقہ خراسان — وفات سنہ ۱۰۵۰ھ ۱۶۳۹ء بلدۂ حیدرآباد

شیخ زین الدین شبلی نام اور شاہ شبلی عرف تھا۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ شاہ زین الدین شبلی بن شاہ رفیع الدین شبلی بن شاہ ضیاء الدین شبلی بن شاہ بدر الدین شبلی بن شاہ محمد صدر الدین شبلی بن شاہ محمد عارف شبلی رحمتہ اللہ علیہ جو حضرت قطب الآفاق حضرت سیدنا تاج الدین عبدالرزاق قادری فرزند دلبند حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اس طرح حضرت رح کا سلسلۂ خلافت ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کو پہنچتا تھا۔

الہام غیبی کی بنا پر عالم جوانی میں وطن سے ہجرت کر کے بغداد شریف کی زیارت کرتے ہوئے بانیٔ شہر حیدرآباد سلطان محمد قلی قطب شاہ تاجدار گولکنڈہ (سنہ ۹۸۸ھ تا سنہ ۱۰۲۰ھ) کے زمانہ میں بلدۂ حیدرآباد تشریف لائے اور محلۂ ساہوکاری کاروان سے قریب ایک پہاڑ پر جہاں آپ کا مزار ہے سکونت اختیار کئے۔

دکن کے ثقہ مؤرخ خواجہ غلام حسین خاں تاریخ گلزار آصفیہ میں لکھتے ہیں کہ :۔ حوادثات زمانہ سے میں بہت پریشان ہوگیا تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں ایک دن میں حضرت رح کی زیارت کے لئے مزار شریف پر حاضر ہوا۔ فاتحہ گزرانے کے تھوڑی دیر بعد مجھ پر بیخودی کی کیفیت طاری ہوگئی اور ایسا محسوس ہوا کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ قبر سے باہر نکلکر دونوں ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے ہوئے میری پیٹھ پر سوار ہیں اور شہر کی طرف منہ ہے۔ جب میں ہوش میں آکر اپنے مکان لوٹا تو ساری پریشانی کافور ہوگئی اور قلبی سکون نصیب ہوا۔"

غرض حضرت شاہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ بڑے ہی صاحب تصرف جلالی بزرگ تھے۔ ۳ ماہ صفر المظفر سنہ ۱۰۵۰ھ م سنہ ۱۶۳۹ء کو اس دار فانی سے خلد بریں کو تشریف لیگئے۔ اور اسی پہاڑ پر جہاں زندگی میں مقیم تھے، دفن ہوئے۔ یہ مقام آج کل محلہ کمہار واڑی میں پہاڑی شاہ شبلی علیہ الرحمہ کے نام سے مشہور اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے صرف ایک صاحبزادہ شاہ مصطفیٰ شبلی رح تھے۔ جن کا عقد صاحبزادی حضرت بدرالدین رح بن حضرت شاہ محمد ملتانی بادشاہ قادری بیدری رح سے ہوا تھا۔

دیکھو گلزار آصفیہ صفحہ ۳۳۷، حدیقہ رحمانی صفحہ ۵۸، تذکرہ اولیائے دکن جلد اول صفحہ ۲۲۸

محل وقوع	حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا مزار محلہ کمہار واڑی کاروان

سا ہو اور گنگا باولی منگل ہاٹ کے درمیان پہاڑ پر واقع ہے۔ یہ جگہ
تقریباً ہموار اور چاروں طرف سے ایک کچی دیوار کے ذریعہ جو
اکثر جگہ سے ٹوٹ گئی ہے محصور ہے۔ اس چار دیواری کے اندر
ذکور کے تیرہ ۱۳، اور اناث کے تین ۳ جملہ سولہ ۱۶ مزار ہیں۔ شمال کی
طرف سے پہلی صف میں پانچ ۵، اس کے نیچے دوسری صف میں
چار پھر اسکے نیچے تیسری صف میں چار اور مقبرہ میں تین ۳ ہیں۔

مقبرہ حضرت شاہ شبلی رحمہ کے پوتے کا ہے۔

پانچ ۵ قبور کی پہلی صف میں مغرب کی طرف سے دوسرا مزار
حضرت شاہ شبلی رح کا اور اس کے مشرق میں بازو کا مزار حضرت
علیہ الرحمہ کی اہلیہ محترمہ کا ہے۔

مزار

حضرت علیہ الرحمہ کا مزار سنگ خارا کا ہے جو ایک زمانہ
سے چونا پڑتے پڑتے سفید براق بن کر کچا معلوم
ہوتا ہے۔ وہ ۳ فٹ ۹ انچ لمبا، ایک فٹ ۶ انچ چوڑا، اور
۲ فٹ بلند ہے۔ مزار کے سرہانے املی کا گھنا درخت سایہ فگن
ہے۔ مزار تک پہنچنے کے لئے پہاڑ پر کوئی باقاعدہ راستہ بنا ہوا نہیں ہے

چلہ مبارک اور مسجد

مزار شریف کے قریب شمال مغربی
گوشے میں پہاڑوں کے درمیان ایک
غار ہے جس میں دروازہ نصب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس حجرہ

سے فی الوقت یہ مقام راہزنوں کا مرکز اور غنڈوں کا اکھاڑہ (باقی صفحہ ۶۴ پر)

خاص میں حضرت ۲۷ عرصے تک چلہ کش رہے ہیں۔

چلّہ مبارک سے کچھ فاصلہ پر شمال مغرب میں چھوٹی سی مسجد ہے جو بند کر دیگئی ہے۔ اس پہاڑ پر دور تک اطراف میں قبرستان پھیلا ہوا ہے لیکن افسوس کہ کہیں بھی کتبہ نہیں ہے۔

عرس زمانہ سابق میں حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا شاندار عرس ہوا کرتا تھا لیکن آج یہ تقریباً بالکل موقوف ہے۔

دامن پہاڑ میں کمہار واڑی کی آبادی ہے۔ اور یہ پوری اراضی درگاہ شریف سے متعلق ہے۔ اہالیان آبادی سے متولیان درگاہ نزول اور نذرانہ وصول کرتے ہیں۔

پہلوانوں کا دنگل اور فحاشی کا اڈہ بنا ہوا ہے۔ یہاں دن کے وقت بھی تنہا کوئی شخص حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر نہیں جا سکتا۔ اگر کوئی ناواقف تنہا چلا جائے تو اس کے جیب اور پاکٹ کا صفایا کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ راقم الحروف فقیر مؤلف اپنے دو احباب کے ساتھ ۷ ماہ صفر سنہ ۱۳۸۱ھ کو بعد نماز جمعہ مزار پر فاتحہ کے لئے پہنچا۔ بمشکل دس منٹ گزرے ہونگے کہ مشرقی سمت سے تین اور مغرب کی طرف تین جملہ چھ مرد جن میں تین مسلمان اور تین لودھے تھے آدھمکے۔ ان لوگوں نے ہمیں سلام کیا اور ہماری حرکتوں پر نظر رکھی۔ ان حالات میں زیادہ وقت ٹھیرنا ہم نے مناسب نہ جانا اس لئے فاتحہ دے کر فوراً پہاڑ سے نیچے اُتر گئے۔

حضرت بودلے شاہ رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش سنہ بیجاپور وفات ۱۰۶۰ھ ۱۶۴۹ء بلدۂ حیدرآباد

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا پورا نام بودعلی شاہ بقول بعض بہبود علی شاہ اور بودلے شاہ عرف تھا۔ یہ مجذوب صفت بزرگ سادات بیجاپور سے تھے۔ حضرتؒ کے والد بزرگوار بیجاپور میں گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو حضرت علیہ الرحمہ نے تمام مال و اسباب اللہ کے نام پر لٹا کر دنیا سے قطع تعلق کرلیا۔ اور انتہائی عقیدت و خلوص کے ساتھ حضرت خواجہ امین الدین علی اعلیٰ رحؒ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر بلا واسطہ روحانی فیض اور شرف ارادت حاصل کر کے درجہ کمال کو پہنچے۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ تاجدار گولکنڈہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں بلدۂ حیدرآباد آئے۔ اور شہر پناہ کے باہر محلہ دبیر پورہ کی گزرگاہ پر بیٹھ گئے۔ چنانچہ شہر کا چھوٹا دروازہ جو حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی قیام گاہ سے قریب تھا وہ حضرت رحؒ کے نام سے بودلے شاہ کی کھڑکی مشہور ہوگیا۔ حضرت رحؒ نے کبھی کسی کے سامنے

ہاتھ نہیں پھیلایا۔ اگر کوئی عقیدتمند کچھ نذرانہ دیتا بھی تو اس کو لیکر کسی محتاج کو دے دیتے تھے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کا ایک ہاتھی مست ہو کر در و دیوار اور درختوں کو گراتا، توڑتا اور لوگوں کو روندتا ہوا وہاں پہنچا جہاں حضرت علیہ الرحمہ تشریف رکھتے تھے۔ فیلبان چیخ چیخ کر کہنے لگا کہ "شاہ صاحب وہاں سے اٹھ جائیے ورنہ جان کی خیر نہیں"۔ شاہ صاحب جو عشق الٰہی کی شراب سے مست و بیخود تھے، اپنی جگہ نہیں چھوڑے اور جیسے بیٹھے تھے اسی حالت میں بیٹھے رہے۔ سچ تو یہ کہ انہیں شور و پکار کی خبر تک نہیں ہوئی۔ مست ہاتھی جیسے ہی حضرت رح کے نزدیک آیا اپنی سونڈ کو حضرت رح کے قدموں پر ڈال کر گرا اور ہوش میں آکر بالکل خاموش کھڑا ہو گیا۔ حضرت رح نے ہاتھی کی سونڈ پر اپنا ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ "اپنے مکان کو جا اور شرارت مت کر"۔ بس ہاتھی اپنے ٹھکانے پر فوراً واپس آگیا اور پھر کبھی اس نے شرارت نہیں کی۔ اس واقعہ کے بعد سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ حضرت رح کے معتقد بن گئے۔ بہرحال حضرت علیہ الرحمہ اپنے وقت کے کامل صوفی اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔

ماہ ربیع الثانی ۱۰۶۰ھ م ۱۶۴۹ء بعہد سلطان عبداللہ قطب شاہ حضرت رح کا وصال ہوا۔ اور دبیرپورہ کے دروازہ کے

باہر اسی جگہ دفن ہوئے جہاں زندگی میں قیام تھا۔ مٹی کی ایک بہت بڑی قبر ہے جس پر چوکھنڈی بنی ہوئی ہے۔ قریب میں ایک پختہ مختصر مکان ہے۔ ہر سال حضرت رح کا عرس ربیع الثانی کے مہینہ میں ہوتا ہے۔ حضرت رح کے مزار کے اطراف وسیع قبرستان بنگیا ہے جس میں کئی اور بزرگان دین آسودۂ خواب ہیں۔

دیکھو گلزار آصفیہ صفحہ ۳۵۵ اولیائے دکن جلد اول صفحہ ۱۷۷

محل وقوع

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بیرون دروازہ چادرگھاٹ جنوب کی طرف ایک وسیع قبرستان میں ہے۔ آج کل یہ مختصر وحدود محلہ بودلے شاہ کی کھڑکی اور قبرستان بودلے شاہ کا تکیہ کہلاتا ہے۔ بصورت موجودہ نہ تو چادرگھاٹ کا دروازہ باقی ہے اور نہ بودلے شاہ کی کھڑکی۔ صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ راستہ کی وسعت کے مدنظر دونوں دروازے توڑ دیئے گئے ہیں لیکن پھر بھی بودلے شاہ کی کھڑکی کے کچھ بنیادی آثار آج بھی موجود ہیں۔ حضرت رح کا مزار ایک وسیع چار دیواری میں جس کا باب الداخلہ مشرقی سمت میں ہے۔ اور جو جگہ جگہ سے گر رہی ہے سنگ بستہ بلند چبوترے پر واقع ہے۔ محصورہ چار دیواری میں اور بھی چند قبور ہیں۔ چبوترہ جس پر مٹی کا فرش ہے شمالاً جنوباً ۴۱ فٹ طویل اور شرقاً غرباً ۱۱ فٹ عریض ہے۔ اس چبوترہ پر چار دھڑے اور ان کے اوپر

چار آڑے پتھر کے ستون رکھ کر کھلی چوکھنڈی بنا دی گئی ہے اور اس کے اندر حضرت رح کا مزار ہے۔

مزار حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اینٹ اور مٹی کا بنا ہوا ہے۔ وہ ۸ فٹ ۱۰ انچ طویل، ۶ فٹ عریض اور ۲ فٹ ۱۰ انچ بلند ہے۔ پھول چڑھانے کے لئے قبر کے درمیانی حصے میں شمالی جانب ایک کویلو نصب کر دیگئی ہے۔

چراغدان چبوترے سے نیچے مزار کے سرہانے پختہ چراغدان بنایا گیا ہے۔ جو ۲ فٹ ۹ انچ مربع اور ۲ فٹ ۳ انچ بلند ہے۔ چراغدان کے قریب ہیں مونگھری کا تنا اور درخت ہے جو مزار پہ سایہ انداز ہے۔

عرس حضرت علیہ الرحمہ کی تاریخ وفات کسی تذکرہ میں درج نہیں ہے۔ لیکن سالانہ عرس ۱۶ و ۱۷ ربیع الثانی کو ہوا کرتا ہے۔ یہاں کوئی کتبہ نہیں ہے۔

حضرت برہنہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش سنہ عراق   وفات سنہ ۱۰۶۴ھ ۱۶۵۳ء بلدہ حیدرآباد

سید حسن نام اور برہنہ شاہ لقب تھا۔ یہ سالک مجذوب بزرگ وطن سے ہجرت کر کے دہلی آئے اور حضرت صوفی سرمد رحمتہ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت و خلافت حاصل کی۔ مرشد کی طرح سر سے پاؤں تک ہر وقت ننگے رہتے تھے۔ اس لئے عام طور پر لوگ برہنہ شاہ کے نام سے پکارتے تھے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ والیٔ گولکنڈہ (سنہ ۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں شمالی ہند سے بلدہ حیدرآباد تشریف لائے۔ اور شہر سے دور ویران اور غیر آباد مقام پھسل بنڈہ پر جہاں اس وقت مزار ہے ٹھیر گئے۔ صرف ایک شخص جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کے وزیر مالک پرست خاں کا ملازم تھا، وہ کچھ خدمت کردیا کرتا تھا۔

حضرت علیہ الرحمہ کے کشف و کرامات کے تعلق سے یوں تو متعدد واقعات مشہور ہیں۔ لیکن ظہور کرامت کا پہلا واقعہ یہ ہے کہ:-
ایک روز قریب کے کسی گاؤں سے ایک حاملہ عورت حضرتؒ کے پاس

آئی۔ اور اپنی غربت و افلاس کا حال بیان کر کے حضرت سے دعا کی طالب ہوئی۔ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ "جا۔ خدا تجھ پر مہربان ہے" اتفاق سے اسی روز اس عورت کی زچگی ہوئی۔ اس کا شوہر حاملہ کے پیٹ سے نکلی ہوئی آلائش (آنول) دفن کرنے کے لئے اپنے گھر کے پیچھے جب زمین کھودا تو اشرفیوں سے بھرا ہوا ایک لوٹا ملا جس کو اس نے گھر لاکر تمام عمر آرام و اطمینان کی زندگی بسر کی۔ اور یقین کیا کہ یہ خزانہ صرف حضرتؒ کی توجہ سے ملا ہے۔ اس طرح بڑھتے بڑھتے حضرت علیہ الرحمہ کے تصرفات اور خرق عادت کی شہرت مالک پرست خاں وزیر عبداللہ قطب شاہ تک پہنچ گئی۔

مالک پرست خاں وزیر کو اولاد کی بڑی تمنا تھی۔ اس نے اولاد کی آرزو میں ایک سو عورتیں اپنے محل میں رکھا تھا۔ لیکن اولاد کسی سے بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے ایک دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا دلی مطلب عرض کیا۔ حضرتؒ نے بھنگ میں تھوڑا پانی ملا کر مالک پرست خاں کو عنایت کیا۔ جس کو اس نے اسی جگہ کھڑے پی لیا۔ اور اپنے گھر واپس آیا۔ کہتے ہیں کہ اس رات میں مالک پرست خاں نے جن عورتوں سے نزدیکی کی۔ وہ تمام عورتیں حاملہ ہو گئیں۔ اور اللہ پاک نے اتنی بے حساب اولاد دی کہ مالک پرست خاں بیزار ہو گیا۔

المختصر حضرت برہنہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی ممتاز

صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ ۱۶ ر جمادی الاول سنہ ۱۰۶۴ھ
مطابق سنہ ۱۶۵۴ء کو سلطان عبداللہ قطب شاہ تاجدار گولکنڈہ
کے عہد میں انتقال کئے۔ اور زندگی میں جس جگہ قیام تھا وہیں
دفن ہوئے۔ مالک پرست خاں وزیر قطب شاہی نے حضرت رح
کے مزار شریف پر مختصر سا گنبد بنوا دیا۔ بعد میں خود مالک پرست خاں
اور اس کی کچھ اولاد بھی اسی گنبد میں دفن ہوئی۔ امیران پائیگاہ
اور ریاست حیدرآباد کے بڑے بڑے لوگ نیز خاندان آصفجاہی
کے اکثر افراد حضرت علیہ الرحمہ کے مقبرہ کے قریب میں دفن ہیں۔
چنانچہ نواب شمس الامراء تیغ جنگ کا مقبرہ اور عالی شان مسجد بھی
درگاہ شریف کے بالکل قریب میں ہے۔

دیکھو گلزار آصفیہ صفحہ ۳۳۵، تذکرۂ اولیائے دکن جلد اول صفحہ ۲۹۷

مقبرہ اور اس کا محل وقوع

کٹہ تالاب میر جملہ کی سڑک عیدی
بازار سے ہوتے ہوئے راست
درگاہ شریف کو جاتی ہے۔ پھلبنڈہ کے قریب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ
کا مقبرہ واقع ہے۔ درگاہ شریف کی آس پاس کی موجودہ آبادی کا
نام ہی "درگاہ برہنہ شاہ رح" ہے۔ حضرت کا مزار ایک مستطیل پختہ
مقبرہ کے اندر ہے۔ جو شرقاً غرباً ۲۸ فٹ، اور شمالاً جنوباً ۱۰ فٹ
۱۰ انچ ہے۔ اس میں جملہ چھ قبور ہیں۔ مشرقی جانب کا سب سے پہلا
مزار حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ مقبرہ میں سنگ سیلو کا فرش ہے۔

اس کی چھت ہموار ہے۔ لیکن جس مقام پر حضرت علیہ الرحمہ کا مزار ہے اس جگہ کی چھت کسی قدر گولائی لئے ہوئے گنبد نما ہے۔ مقبرہ میں داخل ہونے کے لئے شمال میں ایک اور جنوب میں دو دروازے نصب ہیں۔ جنوبی سمت کا بڑا دروازہ زیارت کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ مقبرہ میں برقی روشنی کا انتظام ہے۔ مقبرہ کے بیرونی صحن میں سنگ سیلو کا فرش ہے۔

مزار حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا مزار ۱۰" اونچے سنگ مرمر کے چبوترے پر مرمریں روضہ میں واقع ہے۔ سنگ مرمر کا یہ روضہ (جالی) ۷ فٹ ۳" لمبا اور ۶ فٹ ۱" انچ چوڑا ہے۔ اسکی ہر سمت میں خوش وضع تین کمان اس طرح جملہ بارہ کمانیں ہیں

حضرت علیہ الرحمہ کا مزار کچی کا ہے اور ٹھیک حالت میں ہے۔ وہ ۴ فٹ ۹" لمبا، ۳ فٹ ۱" انچ چوڑا اور ۲ فٹ ۴" انچ بلند ہے۔

خانقاہ اور مسجد مقبرہ کے تقریباً چاروں طرف پتھر کی متعدد کمانوں کی بہت بڑی اور لمبی خانقاہ ہے جس میں زائرین آکر ٹھیرتے اور حضرت رح کی مخصوص نیاز کروی کڑھائی کی ادا کرتے ہیں۔ فی الوقت خانقاہ کے اکثر حصوں میں مقامی غریبوں اور فقیروں، نوواردوں اور مسافروں کی مستقل بود و باش ہے۔

مقبرہ کے غربی جانب چھوٹی سی مسجد ہے جس میں نل اور برقی روشنی کا انتظام ہے۔ اور اسمیں پنجوقتہ اذاں اور نماز ادا ہوتی ہے

نیاز کرڑوی کڑاہی

اس نیاز میں حسب ذیل میٹھا پکایا جاتا ہے۔ اور درگاہ شریف میں جاکر ہی تیار کیا جاتا ہے۔ میٹھا پک جانے کے بعد اس میں نیم کے جھاڑ کے پتے جو حضرتؒ کے مزار شریف کے قریب میں ہے، توڑ کر ڈالتے اور بعد فاتحہ زائرین خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے ہیں۔

روا گندم	شکر	گھی	بادام	کشمش	الائچی	زعفران
۱ سیر	۳ سیر	پاؤ سیر	۲ تولہ	۲ تولہ	۲ تولہ	۳ ماشہ

کتبے

یہاں حسب ذیل چار کتبے نصب ہیں۔

۱۔ یہ کتبہ جنوبی سمت کے چھوٹے دروازہ کے اوپر غیری پتھر میں بخط نسخ ابھرا ہوا کندہ ہے۔

سین حسن علیہ الرحمہ

۲۔ سنگ سیلو کا یہ کتبہ جو خط نسخ میں ہے کسی عقیدتمند نے ۱۳۵۵ھ میں کندہ کروا کر کتبہ نمبر (۱) کے اوپر نصب کیا ہے اس میں صرف درود شریف کندہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ الخ ۱۳۵۵ھ

۳۔ سنگ سیلو کا یہ کتبہ خط نستعلیق میں ہے۔ اس پر مالک پرست خاں وزیر قطب شاہی کے صاحب اولاد ہونے کا واقعہ تفصیل سے کندہ ہے۔ یہ کتبہ سعادت انور خاں خلف افضل نور خاں سرکل انسپکٹر پولیس نے بطور نذر عقیدت کندہ کروا کر مقبرہ کی جنوبی سمت کے بڑے دروازہ پر نصب کیا ہے۔

۴۔ یہ کتبہ مقبرہ کی مغربی خانقاہ کی دیوار پر نستعلیق خط میں سنگ سیلو پر کندہ اور نصب ہے۔ جس میں درگاہ شریف کے بیرونی صحن میں فرش سیلو کی تاریخ تعمیر لکھی گئی ہے۔

عرس ہر سال ۱۵، ۱۶ ر جمادی الاول کو حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا عرس ہوا کرتا ہے۔ زائرین کی کثرت رہتی ہے۔ چھٹے آصف جاہ نواب میر محبوب علیخاں رئیس دکن بنفس نفیس ہر سال عرس میں شریک ہو کر پانچ سو روپیہ نقد مجاوروں کے حوالہ کرتے اور غریبوں میں کثیر رقم تقسیم فرماتے تھے۔

حضرت حسین شاہ ولی رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش سنہ محمد آباد بیدر ؛ وفات سنہ ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۷ء بلدۂ حیدرآباد

شاہ حسین نام اور ابی عبداللہ کنیت ، نصیرالدین لقب اور
اور حسین شاہ ولیؒ عرف تھا۔ قطب شاہی دور کے مشہور صوفی
صحیح النسب سادات اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ
کی اولاد سے تھے۔ نسب کا شجرہ اسطرح ہے :-
شاہ حسین بن شاہ صفی اللہ ثانی بن شاہ اسداللہ بن شاہ عسکر اللہ
بن شاہ صفی اللہ کلاں بن سید محمد اکبر حسینی بن حضرت سید محمد
محمود بندہ نواز گیسو دراز حسینی رحمتہ اللہ علیہ۔
شہر بیدر میں پیدا ہوئے اور گلبرگہ میں نشوونما پائی۔ حضرتؒ
کے آباو اجداد توریثاً روضہ حضرت خواجہ بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ
کے متولی تھے سلسلۂ چشتیہ بہشتیہ میں والد بزرگوار رحمتہ اللہ علیہ
کے مرید اور خلیفہ تھے۔ باطنی اشارہ پر سلطان ابراہیم قطب شاہ
تاجدار گولکنڈہ (۹۵۷ھ تا ۹۸۸ھ) کے زمانہ میں گلبرگہ سے

گولکنڈہ تشریف لائے۔ بادشاہ نے حضرتؒ کی تشریف آوری کی خبر سن کر اپنے وزیروں اور امیروں کو استقبال کیلئے بھیجا۔ چنانچہ وہ نہایت عزت و احترام کے ساتھ حضرتؒ کو شاہی دربار میں لے آئے۔ سلطان ابراہیم نے حضرتؒ کی بڑی قدر و منزلت کی اور اپنی گہری عقیدت کا اظہار کر کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دس ہزار سواروں کا افسر اور معتمد تعمیرات مقرر کیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان ابراہیم قطب شاہ کے عہد حکومت سے سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ تک مسلسل چار بادشاہوں کی ملازمت کی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فنون سپاہگری مثلاً گھوڑے کی سواری اور نیزہ بازی، تیر اندازی اور نشانہ بازی میں خاص کمال رکھتے تھے۔ اور فن تعمیرات کے زبردست ماہر تھے۔ چنانچہ تالاب حسین ساگر جس کا اصلی نام ابراہیم ساگر تھا اور بعد کو وہ حضرت علیہ الرحمہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ دو سال کی مدت میں بصرفہ سات لاکھ روپیہ ۹۷۰ھ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں ہی تیار ہوا۔ اسی طرح محلہ خیریت آباد کی مسجد اور شاہزادی خیریت النساء بیگم کا گنبد بھی حضرت علیہ الرحمہ کے اہتمام اور نگرانی میں تعمیر ہوا۔

خرق عادت کے تعلق سے مشہور واقعہ یہ ہے کہ :-

ایک دن شاہزادہ محمد قلی گھوڑے پر سوار ہو کر سیر و تفریح کیلئے

نکلا تھا۔ اتفاق سے ایک چیل نے جو اوپر اڑ رہی تھی شاہزادہ کے لباس پر بیٹ کر دی۔ حضرت رح کو جو شاہزادہ کے ہمراہ رکاب تھے یہ امر ناگوار گزرا اور چیل پر نگاہ غضب ڈالی۔ چیل فوراً جل کر زمین پر آ گری۔ اس واقعہ کے بعد سے شاہزادہ محمد قلی اور سلطان ابراہیم دونوں باپ بیٹے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اور زیادہ معتقد ہو گئے۔ اور پہلے سے بڑھ کر حضرت رح کا ادب و احترام کرنے لگے۔ چنانچہ اسی عقیدت کے اثر سے سلطان ابراہیم قطب شاہ نے اپنی ایک لڑکی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نکاح میں دے کر جاگیر اور منصب حضرت رح کے نذر کی۔ اور رہنے سہنے کے لئے قلعہ کے اندر ایک سنگ بستہ دو منزلہ حویلی بھی دیگئی۔ جسکے کچھ آثار آج بھی باقی ہیں۔ اس محل کی بالائی منزل پر لکڑی کا ایک خوب صورت تخت رکھا ہوا ہے۔ جو انقلاب ایام کے باعث ٹوٹ پھوٹ کر خراب و خستہ ہو گیا ہے۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ تخت حضرت خواجہ حسین شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ جس پر حضرت رح ہمیشہ تشریف رکھتے اور نماز و تسبیح پڑھا کرتے تھے۔

چنانچہ آج بھی اطراف کے مواضعات کے عوام اور خاص طور پر کاشتکار طبقے کے لوگ اس تخت کی نذر گزرانتے اور اپنی مخلصانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

شاہزادی رح کے بطن سے صاحبزادہ امام الملک رحمۃ اللہ علیہ

کی پیدائش ہوئی تھی۔ چونکہ صاحبزادہ مذکور کی شاہی محلات میں تعلیم و تربیت ہوئی تھی۔ اور وہ ہمیشہ شاہانہ شان و شوکت میں رہا کرتے تھے۔ اس لئے حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرید خاص جو صاحبزادہ امام الملک کے اتالیق بھی تھے مسمی حضرت سید علی چشتی رح کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرماکر اپنا جانشین بنا دیا تھا۔

۱۴ ماہ جمادی الاخری ۱۰۶۸ھ م ۱۶۵۷ء کو سو برس سے زیادہ کی عمر پاکر بعہد سلطان عبد اللہ قطب شاہ تاجدار گولکنڈہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے دنیا سے پردہ فرمایا۔

شہر حیدرآباد سے پانچ میل غربی جانب اور قلعہ گولکنڈہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر سڑک لنگم پلی کے کنارے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا عالیشان گنبد مرجع خلائق ہے۔ آج بھی سالانہ عرس کے موقع پر ہزاروں زائرین شہر حیدرآباد اور اطراف و اکناف کے مواضعات سے زیارت کے لئے آتے اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ۱۳۸۶ھ م ۱۹۶۶ء میں اس درگاہ کے موجودہ متولی و سجادہ نشین مولانا سید شاہ صفی اللہ الحسینی خلف حضرت سید شاہ اکبر محمد محمد الحسینی مرحوم ہیں۔ وہ جوان صالح اور صاحب اولاد ہیں۔ سجادہ موصوف مولانا سید شاہ سعدالدین محمد قادری سجادہ نشین درگاہ شریف لنگر حوض کے داماد ہوتے ہیں۔

سیرت و کردار میں بزرگوں کے نقش قدم پر ہیں۔

دیکھو: مشکوٰۃ النبوۃ صـ۳۵۱، گلزار آصفیہ صـ۳۳۳

حدایقہ رحمانی صـ۳۳۸، اولیائے دکن جلد اول صـ۲۷

محلِ وقوع

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا عالی شان گنبد سٹرک لنگم پلی کے کنارے "موضع درگاہ" میں واقع ہے یہ آبادی حضرت رحؒ کے نام سے مشہور اور "موضع درگاہ حسین شاہ ولیؒ" سے موسوم ہے۔ اس کا راستہ شہر حیدرآباد سے جانب مغرب ملّے پلی، آصف نگر اور ٹولی چوکی سے گزر کر سڑک لنگم پلی سے ہوتا ہوا درگاہ شریف کو پہنچتا ہے۔ زمانۂ قدیم میں موضع درگاہ تجارت کا مرکز رہا ہے۔ شکر سازی کے بڑے بڑے کارخانے یہاں قائم تھے۔ یہاں کا گھی بالکل اصلی اور بہترین ہوتا تھا۔ درگاہ شریف کی زیارت کو جانے والا ہر شخص واپسی میں حسب استطاعت گھی اور شکر خرید کر ضرور اپنے ساتھ لاتا تھا۔

آج کل بس ڈپو بلدۂ حیدرآباد سے "سداسیو پیٹھ" جانے والی موٹر بس سروس درگاہ شریف کے قریب سے گزرتی ہے۔

شاہ میراں جی حسین چشتی خدا نما رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش سنہ حیدرآباد وفات سنہ ۱۰۷۰ھ ۱۶۵۹ء شہر حیدرآباد

یہ بزرگ حیدرآباد کے مشہور صوفی اور سلطان عبداللہ قطب شاہ تاجدار گولکنڈہ کے معتبر ملازمین میں کسی سررشتہ کے جمعدار تھے۔ بادشاہ نے انہیں سفیر بنا کر کسی کام سے سلطان ابراہیم عادل شاہ کے پاس بیجاپور روانہ کیا تھا۔ یہ جب اپنے متعلقہ کام سے فارغ ہو کر بلدۂ حیدرآباد واپس ہونا چاہتے تھے۔ ایسے میں انہیں علم ہوا کہ حضرت امین الدین اعلیٰ کے حجرۂ خاص سے باہر تشریف لانے کا مقررہ ہفتہ واری دن ہے۔ اور ہزاروں عوام ان کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ یہ حضرت بھی شوق زیارت میں وہاں پہنچ گئے۔ حضرت امین الدین اعلیٰ نے ایک پتھر پر نظر ڈال کر مریدین اور خلفاء سے پوچھا کہ "یہ پتھر کیا کہتا ہے"۔ سب دم بخود رہ گئے۔ کسی سے جواب بن نہیں پڑا۔ حضرت نے دوبارہ وہی جملہ ارشاد فرمایا۔ اس دفعہ بھی سب حاضرین خاموش رہے۔ حضرت میراں جی رح نے

آگے بڑھ کر نہایت ادب سے عرض کیا کہ "پتھر کہتا ہے کہ امین الدین خدا بن گئے اور خدائے تعالیٰ امین الدین بن گیا" یہ جواب سنتے ہی حضرت امین الدین اعلیٰ فوراً میراں جی کا ہاتھ پکڑ لئے۔ اور حجرۂ خاص میں لیجا کر نعمت بیعت و خلافت سے سرفراز فرما کر بلدۂ حیدرآباد جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حیدرآباد آ کر حضرتؒ نے بادشاہ کی ملازمت ترک کر دی۔ اور عمر بھر اہل حیدرآباد کو اپنے مرشد سے حاصل کیا ہوا فیض پہنچاتے رہے۔ علوم معرفت اور سلوک میں حضرتؒ نے دکنی زبان میں متعدد کتابیں لکھیں۔ مثلاً چکی نامہ عرفان منظوم، رسالہ وجودیہ، رسالہ قبریہ، شرح تمہیدات عین القضات۔ شرح مرغوب القلوب، حضرت علیہ الرحمہ کے ہی تصانیف ہیں۔ کہتے ہیں کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے حضرتؒ کے پاس کہلا بھیجا کہ "کیا آپ خدا نما ہیں" جواب میں حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

بابا۔ اگر میں خدا نما نہیں ہوں تو خود نما ضرور ہوں"

۸ ماہ جمادی اول ۱۰۸۶ھ م ۱۶۵۹ء کو وفات پائی۔ محلہ سبزی منڈی بلدۂ حیدرآباد میں دفن ہوئے۔ حضرت علیہ الرحمہ کا گنبد کمرخی گنبد کے نام سے موسوم ہے۔ سینکڑوں لوگ آج بھی حضرتؒ کے فیض جاریہ سے استفادہ کرتے ہیں۔ شاہ امین الدین چشتی ثانی حضرتؒ کے اکلوتے صاحبزادے تھے جو بعد وفات پدر بزرگوار خلیفہ اور سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرتؒ کو ایک صاحبزادی

بھی تھیں جو حضرت شاہ میراں حسنی ثانی چشتیؒ سے بیاہی گئی تھیں
دیکھو گلزار آصفیہ ص ۳۳۹ حدیقہ رحمانی قلمی ص ۵۰۹
اولیائے دکن جلد دوم ص ۹۵۵، تذکرہ مخطوطات جلد اول ص ۳۲۹
ماثر دکن ص ۶، دکن میں اردو ص ۹۹

محل وقوع اور گنبد

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار سبزی منڈی میں پرانا پل سے جیا گوڑہ (ضلع رنگیلہ) کو جانے والی سڑک کے بائیں کنارے ایک خوبصورت کمرچی گنبد کے اندر واقع ہے۔ گنبد کے چار پہلو ہیں۔ اور ہر پہلو میں ایک دروازہ نصب ہے۔ چاروں دروازوں کی چوکھٹ سنگ موسیٰ کی ہے۔ شمالی دروازے سے گنبد میں آمد و رفت ہوتی ہے۔ گنبد کے کلس اور چاروں برجیوں کے سرے پر ہلالی نشان نصب ہے گنبد کا اندرونی میدان (۲۰) فٹ ۸ انچ مربع ہے۔ اور فرش باریک گچی کا ہے۔ گنبد کے اندر پہلی صف میں تین اور دوسری صف میں دو جملہ پانچ مردانہ قبریں ہیں۔ پہلی صف کی درمیانی قبر حضرت علیہ الرحمہ کی ہے۔

مزار

حضرتؒ کا مزار پختہ اور باریک گچی کا ہے۔ فن تعمیر کے لحاظ سے مزار خوب صورت اور پائدار ہے۔ ۵۹ ۶ فٹ لمبا، ۳ فٹ ۵ انچ چوڑا اور ۲ فٹ ۱۱ انچ اونچا ہے۔ مزار کے اطراف لکڑی کا کٹہرہ لگا ہوا ہے۔ مزار پر برقی روشنی کا انتظام ہے۔

سماع خانہ اور خانقاہ

حضرتؒ کے گنبد کے محاذی ٹھیک شمالی جانب پانچ کمانوں والا وسیع سماع خانہ ہے۔ جو فی الوقت غیر متعلق اشخاص کی رہائش گاہ بنا ہوا ہے۔ گنبد کے مشرقی سمت میں تین کمانوں والی چھوٹی سی خانقاہ ہے۔ جس میں غریب لوگ رہتے سہتے ہیں۔

مسجد اور باؤلی

گنبد کی مغربی سمت میں چھوٹی سی مسجد ہے جس میں سنگ سیلو کا فرش اور نل و برقی روشنی کا انتظام ہے۔ مسجد کے دروازے کو جو مشرقی سمت میں ہے ہر وقت قفل پڑا رہتا ہے۔

مسجد سے قریب ہی چھوٹی سی پختہ باؤلی ہے۔ درگاہ شریف میں نل کے انتظام سے پہلے اسی باؤلی کا پانی پینے اور برتنے کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ نل لئے جانے کے بعد اب یہ باؤلی بالکل بیکار ہوگئی ہے۔

نقار خانہ اور آبدار خانہ

گنبد کے مغربی جانب درگاہ شریف کے احاطہ کا صدر دروازہ ہے اور اس کی بالائی منزل پر نقار خانہ ہے۔ بحالت موجودہ احاطے کی دیوار جگہ جگہ سے ٹوٹ جانے سے اب ہر طرف سے راستے بن گئے ہیں۔ اس لئے صدر دروازے سے آمد و رفت کی کبھی ضرورت نہیں پیش آتی اور نہ اب یہ دروازہ کبھی کھلتا ہے۔ نقار خانہ ہر طرف

برائے نام رہ گیا ہے۔ تقریب عرس میں بھی کبھی نوبت نہیں بجتی
صدر دروازہ اور نقار خانہ کی حالت بہت بوسیدہ اور شکستہ ہوگئی ہے
آبدار خانہ کا تذکرہ ماثر دکن کے نامور مؤرخ نے صفحہ (۴۰) پر
کیا ہے لیکن بحالت موجودہ سنہ ۱۹۶۱ء میں اس کا کہیں وجود نہیں
ہے۔ آبدار خانہ مسمار ہوچکا۔ اس کا چبوترہ جو باقی رہ گیا تھا
وہ قبرستان بن رہا ہے۔ چنانچہ ایک نعش اس چبوترے پر دفن
ہوچکی ہے۔ یہ چبوترہ گنبد کے قریب مغربی جانب ہے۔

کشتی سنگ

گنبد سے قریب جنوب کی طرف سنگ خارا
کی چھ پہلو والی کشتی رکھی ہوئی ہے جو سطح
زمین سے ۲ فٹ ۲/۱ ۳ انچ بلند ہے۔ اس کا قطر ۳ فٹ ۵ انچ ہے
یہ کشتی چشتیہ سلسلہ کی مخصوص نشانی ہے۔ حاجت مند لوگ
اپنے مقاصد میں کامیابی کے بعد شیر برنج (کھیر) یا گھوڑے
پکا کر اس کشتی میں رکھ کر فاتحہ دیتے اور تقسیم کرتے ہیں۔

کتبہ

یہ کتبہ جو سنگ موسیٰ پر بخط نسخ ابھرے ہوئے حروف
میں کندہ ہے۔ نقار خانے کے دروازے پر نصب ہے

قال سلام علیہ انا مدینۃ العلم و علی بابہا ۱۲۳۱ھ

چونکہ اس کتبے کی عبارت مادۂ تاریخ ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

سنہ ۱۳۲۱ھ میں نقار خانہ کی عمارت تعمیر ہوئی اور کتبہ لگایا گیا۔

عرس

ہر سال ۱۸ ماہ جمادی الاول کو حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے فاتحہ سالانہ معمولی طور پر مولوی نور الٰہ ولی صاحب ساکن دبیر پورہ متولی درگاہ شریف کے مکان پر ادا ہوتے ہیں۔ مزار پر چادر گل چڑھائی جاتی ہے۔ درگاہ شریف کے پاس عرس کی کوئی تقریب نہیں منائی جاتی۔

حضرت حبیب احمد رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش سنہ عرب — وفات سنہ ۱۰۷۳ھ ۱۶۶۲ء بلدہ حیدرآباد

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے نسب کا سلسلہ اس طرح ہے:
احمد بن عبداللہ بن احمد بن حسین بن عبداللہ بن شیخ احمد بن حبیب عبداللہ العیدروس رحمتہ اللہ علیہ۔

شہر تریم ملک عرب میں پیدا ہوئے اور وہیں کی آب و ہوا میں نشو و نما پاکر علم و فضل حاصل کیا۔ ابتدا ہی سے نہایت ذہین اور فریس تھے۔ ولی کامل و معلم صالح حضرت شیخ عمر بن عبداللہ باغریب رح سے قرآن پاک حفظ کیا اور اکابر عصر و علمائے دہر سے علوم معقول و منقول میں سند حاصل کی۔ والد بزرگوار علیہ الرحمہ سے حدیث و فقہ اور تصوف کی سند لی۔ اور سلسلۂ عیدروسیہ علویہ میں خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ غرض کہ جامع علوم و فضائل ہونیکے بعد حضرت رح نے سفر کا ارادہ فرمایا اور ہندوستان تشریف لائے۔ اولاً احمدآباد (گجرات) میں شیخ جعفر صادق العیدروس کے پاس آئے اور کچھ دن یہاں قیام کے بعد بعہد سلطان محمد قطب شاہ

فرمانروائے گولکنڈہ (۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ) بلدۂ حیدرآباد وارد ہوئے۔ سلاطین دکن نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بہت اعزاز واکرام کے ساتھ رکھا، بڑی قدر و منزلت کی۔ اور اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ چنانچہ شہر کے خاص و عام بھی حضرتؒ کے معتقد ہوگئے۔

حضرتؒ نہایت کریم الطبع اور سخی المزاج تھے۔ جو بھی حاجتمند آتا وہ کامیاب ہوکر جاتا تھا۔ اپنے مریدوں سے حسن اخلاق سے ملتے تھے۔ ادیب کامل تھے۔ نظم و نثر دونوں پر حاوی تھے لیکن حضرتؒ کا کلام اور ارشادات فی الوقت نایاب ہیں۔

۱۰۷۳ھ م ۱۶۶۲ء کو بعہد سلطان عبداللہ قطب شاہ تاجدار گولکنڈہ حضرتؒ کا وصال ہوا۔ اور محلہ قاضی پورہ کی مسجد قوۃ الاسلام کے صحن میں دفن ہوئے۔

دیکھو تذکرۂ اولیائے دکن جلد اول صفحہ ۱۲۵

محل وقوع حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مسجد قوۃ الاسلام قاضی پورہ کے صحن میں واقع تھا لیکن اب اس حصۂ زمین کو صحن مسجد سے خارج کرکے علحدہ چاردیواری بنادی گئی ہے۔ مزار بالکل کھلی جگہ واقع ہے۔ چاردیواری کی شمالی اور شرقی دیواریں ٹوٹ گئی ہیں۔

مزار حضرت علیہ الرحمہ کا مزار ۷ فٹ ۴ انچ لمبا، ۳ فٹ ۱۲ انچ چوڑا اور ۲ فٹ ۲ انچ اونچا ہے۔ مزار گچی کا ہے۔ اور بہتر حالت میں ہے۔

مزار کے چاروں گوشوں پر چار گڑھے چونہ کے بنائے گئے ہیں، جو غالباً چار ستون یا لوہے کی چار سلاخیں نصب کرکے مزار پر چھت یا کسی پھولدار بیل کا منڈوہ ڈالنے کا منصوبہ معلوم ہوتا ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ کسی زمانے میں ایسا ہی ہوگا۔ اور آج بھی گڑھے اور حصار کی شکستہ دیواریں اپنے سابقہ آثار کا پتہ دے رہی ہیں۔

عرس دو چار سال میں ایک مرتبہ محلّے کے بعض نوجوان اور صاحبان عقیدت آپس میں چندہ جمع کرکے فاتحہ وچادر اندازی اور روشنی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں۔ یہاں کوئی کتبہ نہیں ہے۔

حضرت امین الدین ثانی چشتی رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش سنہ بلدۂ حیدر آباد ۔ وفات ۱۰۷۴ھ ۱۶۶۳ء بلدۂ حیدر آباد

حضرت سید شاہ میراں حسین چشتی خداوند خدانما رحمتہ اللہ علیہ کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔ والد محترم کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ چہرہ مبارک سے بزرگانہ شان ٹپکتی تھی کسر نفسی اور درویشی میں بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ خاص و عام سب کے ساتھ یکساں برتاؤ ہوتا تھا غریبوں اور محتاجوں کے ساتھ زیادہ ہمدردی فرماتے تھے۔ کبھی کسی سائل کے سوال کو رد نہیں فرمایا۔ کسی وقت بھی اپنی زبان سے "نہیں" کا لفظ نہیں نکالا۔ خود کو سب سے زیادہ ذلیل سمجھتے تھے۔ بجائے "میں" کے لفظ "فقیر" استعمال فرماتے تھے۔

والد بزرگوار کا گنبد جو شہر حیدر آباد میں محلہ کاروان ساہوان کے قریب سبزی منڈی میں "کمرخی گنبد" کے نام سے مشہور ہے بہ صرفہ زر کثیر تیار کروایا۔

والد بزرگوار کے وصال کے بعد چار سال تک مسند رشد و ہدایت پر فائز رہے۔ شہر حیدر آباد کے بڑے مشائخین

میں شمار ہوتا تھا۔ ۱۸ ماہ جمادی الاولی ۱۰۷۴ھ میں بعہد سلطان عبداللہ قطب شاہ لاولد فوت ہوئے ۱۶۶۳ء اور والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے۔ حدیقۂ رحمانی میں حضرت رح کا سنہ وفات ۱۰۷۵ھ لکھا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دو خلیفہ تھے۔ ایک حضرت رح کے بھانجے شاہ حسینی اور دوسرے حضرت کے بہنوی شاہ میراں حسینی ثانی۔ چنانچہ بعد میں شاہ حسینی حضرت رح کے قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے۔

دیکھو گلزار آصفیہ صفحہ ۳۵۸، حدیقۂ رحمانی صفحہ ۵۱۸
اولیائے دکن جلد اول صفحہ ۱۳۲، تذکرہ مخطوطات جلد اول صفحہ ۳۲

مزار حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار والد بزرگوار رح کے گنبد کے اندر جو محلہ سبزی منڈی میں لکڑی گنبد کے نام سے موسوم ہے، والد کے مزار کے داہنے جانب مغربی سمت میں واقع ہے مزار پختہ باریک گچی کا ہے اور اچھی حالت میں ہے۔ وہ (۵) فٹ ۷ انچ لمبا، ۲ فٹ ۸ انچ چوڑا اور ۲ فٹ ۷ انچ اونچا ہے۔

عرس چونکہ حضرت رح کی تاریخ وفات اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار کی تاریخ وفات ایک ہی واقع ہوئی ہے، اس لئے ہر دو بزرگوں کے فاتحہ ایک ساتھ ادا ہوتے ہیں یہاں کوئی کتبہ نہیں ہے۔

حضرت مخدوم حسینی بخاری جگ جھانک پیر رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش سنہ گجرات

وفات سنہ گیارھویں صدی ہجری بلدۂ حیدرآباد

سید شاہ مخدوم حسینی بخاری نام، جگ جھانک لقب اور جھرہ پیر عرف تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نسب کا شجرہ اسطرح ہے سید شاہ مخدوم حسینی بخاری رح بن سید شاہ میر احمد حسینی بخاری بن سید شاہ علی حسینی بخاری بن سید احمد حسینی بخاری بن سید ناصر الدین بخاری بن سید شاہ جلال بخاری بن سید شاہ محمود بخاری بن سید شاہ محمد بخاری بن سید برہان الدین بخاری بن سید محمد بخاری بن حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال بخاری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ غرض کہ حضرت صحیح النسب سادات اور دسویں امام حضرت سیدنا علی نقی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ لقب جگ جھانک کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پلکیں بہت گنجان اور لمبی لمبی تھیں جو آنکھوں کو بالکل ڈھانک لیتی تھیں۔ حضرت رح جب کسی کو دیکھنا چاہتے تھے تو ہاتھ سے پلکوں کو اٹھا کر دیکھتے تھے۔ اسی لئے جگ جھانک لقب مشہور ہو گیا۔

گجرات میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی سلسلہ چشتیہ زیدیہ اور قادریہ شطاریہ میں والد بزرگوار کے مرید اور خلیفہ تھے باطنی اشارہ پر سلطان ابراہیم قلی قطب شاہ کے عہد میں (۹۵۷ھ تا ۹۸۸ھ) گجرات سے گولکنڈہ تشریف لائے اور محلۂ کلثوم پورہ (کاروان ساہوان) سے قریب لق و دق جنگل اور پہاڑی مقام کو جہاں اس وقت آپ کا مزار ہے۔ اپنی سکونت کے لئے منتخب فرمایا۔ روایت مشہور ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کو وضو کے لئے پانی کی ضرورت ہوئی تو سوائے گھنی جھاڑیوں اور پہاڑوں کے کہیں بھی پانی دکھائی نہیں دیا۔ حضرت رح نے اپنے سیدھے ہاتھ کی کلمہ کی انگلی سے زمین کرید دی فوراً ہی اس مقام سے جھرہ (چشمہ) جاری ہو گیا بحالت موجودہ اس مقام کو دیواریں اٹھا کر کنویں کی شکل دے دی گئی ہے چنانچہ آج تک حضرت رح کی یہ کرامت زندہ ہے اور جھرہ جاری ہے۔ رفتہ رفتہ عوام حضرت رح کے بہت معتقد ہو گئے۔ اور حاجت مندوں کا آنا جانا شروع ہو گیا۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کو دنیا اور اہل دنیا سے کوئی سروکار نہ تھا۔ گمنامی اور گوشہ نشینی میں زندگی بسر کی۔ ہر وقت چہرہ پر نقاب پڑا رہتا تھا صوم و صلوٰۃ اور ذکر و شغل میں ہر وقت مصروف رہتے تھے۔ زہد و تقویٰ اور روحانیت میں بہت اونچا

مقام رکھتے تھے۔ پریشان عوام حضرتؒ کی خدمت میں حاضری دے کر اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے تھے۔

۱۴ ماہ شعبان سنہ کو بعہد سلطان عبد اللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ اور اسی جنگل میں اپنے سکونتی مقام پر دفن ہوئے۔ حضرت علیہ الرحمہ کو صرف ایک صاحبزادی سیدہ بی بی تھیں۔ چنانچہ موجودہ متولی و سجادہ سید میران حسین شبلی خلف سید حمید الدین شبلی بخاری چھٹی پشت میں صاحبزادی محترمہ کی اولاد میں ہیں۔

(جدید)

محل وقوع حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا مزار بیرون شہر حیدرآباد پرانا پل سے گولکنڈہ جانے والی سڑک پر پولیس اسٹیشن ہوز شبہ جبوترہ کے عقبی حصے میں دو فرلانگ کے فاصلہ پر بالکل ویران اور غیر آباد مقام پر واقع اور "جھرہ پیر" کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کی درگاہ سے متصل و ملحق قریب ترین ایک کچا راستہ "منگل ہاٹ" کے محلے کو جاتا ہے۔

گنبد اور خانقاہ حضرتؒ کے مزار پر چھوٹا سا خوبصورت گنبد ہے۔ اسکی تعمیر کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک نہایت ہی عابدہ و پارسا اور ضعیفہ خاتون نے سوت کات کر رقم جمع کر لی تھی۔ اس خاتون کو کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ

چاہتی تھی کہ اپنے اس جائز سرمایہ کو کسی اچھے اور نیک کام میں صرف کرے۔ لیکن کوئی کام اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ اسی فکر میں تھی کہ حضرت علیہ الرحمہ نے اس کے خواب میں پہنچکر ارشاد فرمایا کہ:۔
"فلاں مقام پر ہماری قبر ہے۔ تم اپنے سرمایہ سے اس پر ایک گنبد بنواؤ" اس طرح اس خاتون کی حلال روزی سے مزار شریف پر گنبد اور اسی سے متصل خانقاہ تعمیر پائی۔

حضرتؒ کا گنبد ۷ فٹ ۵ انچ مربع اور ایک فٹ ۲ انچ بلند چبوترے پر بنایا گیا ہے۔ جو چاروں طرف سے کھلا اور کماندار ہے۔ گنبد نہایت پختہ اور خوب صورت ہے۔ اور آج تک اچھی حالت میں ہے۔ اس کے چاروں طرف زینے ہیں۔ گنبد کی مشرقی کمان سے متصل بہت ہی گھنا نیم کا درخت ہے جو گنبد پر سایہ افگن ہے۔ گنبد کے قریب میں مغربی جانب خانقاہ بھی تھی جو اب ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر بنگئی ہے۔

مزار حضرتؒ کا مزار پختہ گچی کا ہے اور پائدار حالت میں ہے۔ وہ ۵ فٹ لمبا، ۲ فٹ ۹ انچ چوڑا اور ایک فٹ ۱۱ انچ اونچا ہے۔ اس غیر آباد اور سنسان مقام پر ہر وقت تازہ پھول مزار پر نظر آتے ہیں۔

کشتی اور چراغدان حضرتؒ کے مزار کے سرہانے سنگ خارا کی ایک خوبصورت کشتی ہے۔ وہ ۲ فٹ ۲ انچ مربع اور سطح زمین سے ۲ فٹ بلند ہے۔ اور اسی سے متصل

شمالی جانب چونہ اور گچی کا خوبصورت چراغدان بنایا گیا ہے جو اس وقت تک محفوظ حالت میں ہے۔

جھرّہ اور جھرّہ کا میلہ چراغدان کے شمالی جانب ایک پختہ باولی (جھرّہ) ہے جس میں ہر موسم میں سال تمام پانی موجود رہتا ہے۔ اس میں اندر اترنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ دراصل یہی وہ جھرّہ (چشمہ) ہے جو حضرت علیہ الرحمہ کی کرامت سے جاری ہوا تھا۔ چراغدان اور باولی کے درمیان کچا راستہ ہے۔ جو مشرق کی طرف "منگل ہاٹ" محلے کو جاتا ہے۔ ہر سال ماہ محرم کی ۲۷ تاریخ کو یہاں بڑا بھاری میلہ لگتا ہے شہر کے مختلف محلوں سے علم آتے اور اس جھرّہ کے پانی ٹھنڈے کئے جاتے ہیں۔ یہ میلہ "جھرّہ کا میلہ" یا "جگ جھانک صاحب کا میلہ" کہلاتا ہے مسلم اور غیر مسلم خلوص کے ساتھ حضرت رح کے مزار کی زیارت کرتے اور پھول چڑھاتے ہیں۔

عرس نواب میر نظام علی خان آصفجاہ ثانی نے اپنے دور حکومت میں حضرت علیہ الرحمہ کے سالانہ اخراجات عود وگل کیلئے درگاہ شریف سے ملحقہ (۳۲) بیگہ اراضی اور سالانہ عرس شریف کیلئے (۱۲۵) روپیہ مقرر کئے تھے نقد معاش کچھ عرصے سے مسدود ہو گئی ہے لیکن انعامی زمین (۳۲) بیگہ کے منجملہ ۲۲ بیگھے اراضی آج بھی موجودہ متولی و سجادہ نشین سید میراں حسین تجلی کے قبضہ میں ہے۔ کہتے ہیں کہ زمانہ سابق میں ہر سال ۱۴ ماہ شعبان کو حضرت کا عرس ہوا کرتا تھا۔ لیکن موجودہ وقت میں عرس کی کوئی تقریب نہیں ہوتی یہاں کوئی کتبہ نہیں ہے۔

سید عبد المحی الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش سنہ بلدہ حیدرآباد وفات ۱۰۸۵ھ ۱۶۷۴ء بلدہ حیدرآباد

نسب کا شجرہ اس طرح ہے :۔ سید عبد المحی الدین بن سید محی الدین ثانی بن شاہ عبد اللطیف لا اُبالی بن سید شاہ طاہر الحموی بن سید علاء الدین زاہد بن سید عارف بن سید ہاشم بن سید قطب الدین محمد بن سید شہاب الدین احمد بن سید بدر الدین حسن بن سید علاء الدین بن سید شمس الدین محمد بن سید سیف الدین یحیٰ بن سید شمس الدین احمد بن سید ظہیر الدین احمد بن سیدنا عماد الدین ابی صالح نصر بن قطب الآفاق سیدنا تاج الدین عبد الرزاق قادری بغدادی رحمۃ اللہ علیہم۔

حضرت رح بالکل متوکل اور قانع، صوم وصلوٰۃ کے پابند اور جد بزرگوار حضرت سید شاہ عبد اللطیف لا اُبالی رح کے مُرید اور خلیفہ تھے۔ دنیا اور اس کے علائق سے بہت دور رہتے تھے شجاعت اور قوت میں بے مثل اور صاحب خوارق عادات تھے۔ سید شاہ میراں حسین ثانی بنیرۂ خاص حضرت غوث الثانی رحمۃ اللہ علیہ کی

صاحبزادی سیدہ حمیدہ سلطان سے حضرتؒ کا عقد ہوا تھا۔

حضرتؒ کے خرق عادت کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کی سواری کی توپ ایک دفعہ موسیٰ ندی کے سنگم میں گر گئی تھی بیسیوں بیلوں کی جوڑیاں لگا کر لوگوں نے کھینچا مگر توپ اپنی جگہ سے نہ ہٹی۔ حضرتؒ بھی اتفاق سے اس مقام پر موجود تھے۔ حضرتؒ نے قوت حیدری سے توپ کو کھینچا۔ اور چودہ قدم باہر نکال دیا۔ حاضرین یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اور حضرتؒ کی کرامت کے قائل ہو گئے۔

۱۲ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۰۸۵ھ م ۱۶۷۴ء کو بعہد سلطان ابوالحسن تانا شاہ حضرتؒ کا وصال ہوا۔ والد محترم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور دادا خسر حضرت سید محمدؐ عرف راجے صاحب قادری عن نور الکونین سید میراں حسین حموی بغدادی کے مزار کے قریب لنگر حوض میں دفن ہوئے۔ حضرتؒ کے دو صاحبزادے تھے۔
(۱) درویش محی الدین قادری (۲) سید محمدؐ رنی۔

دیکھو مشکوٰۃ النبوۃ ص ، اولیائے دکن جلد اول ص ۵۹۹

مزار حضرتؒ کا مزار لنگر حوض میں روضۂ حضرت غوث الثانیؒ کے پائین باؤلی کے محاذی ایک چبوترہ پر واقع ہے۔

چبوترہ پر سنگ سلو کا مکمل فرش ہے اور وہ چاروں طرف سے پختہ دیوار کے ذریعہ محصور ہے۔ اس کو صرف ایک دروازہ شمال

کی طرف ہے۔ یہ چبوترہ شرقاً غرباً ۴۲ فٹ ۴ انچ اور شمالاً جنوباً ۲۷ فٹ ۴ انچ لمبا ہے۔ اس محصورہ چبوترے پر صرف چھ قبور ہیں۔ اور وہ سب کی سب سنگ خارا کی ہیں۔ پہلی صف کی پانچ قبور میں درمیانی قبر جس پر پتھر کے چار کھڑے اور چار آڑے ستون دے کر چوکھنڈی کی شکل دی گئی ہے۔ حضرت رحؒ کا مزار ہے۔

حضرت رحؒ کا مزار سنگ خارا کا ہے۔ وہ ۶ فٹ ۶ انچ لمبا، ۴ فٹ ۶ انچ چوڑا، اور ۲ فٹ ۱ انچ اونچا ہے۔ مزار کے پائنتی محصورہ رقبہ کے اندر ایک املی کا اور ایک نیم کا درخت ہے۔ یہ دونوں درخت مل کر مزار پر سایہ ڈال رہے ہیں۔

کتبے محصورہ چار دیواری کے دروازۂ داخلہ پر سنگ سیلو کا یہ کتبہ نصب ہے۔

چوں دوازدہ ماہ اولی زجہاں شد
شہ عبد محی الدین زکاس بقا شد مست
معروف ضمیر غلامی
السید
وحید القادری الموسوی
عارف کان السید
عارف کہ کمینہ و کہتر زغلامانست
تاریخ وصالش را گفتہ (بخدا پیوست)
مرزا
حشمت علی قادرم
۱۰۸۵ھ

اس کتبے کے دوسرے رُخ پر اندرونی جانب کلمہ طیبہ کندہ ہے۔

عرس صاحب مزار کے جائز وارث اور اولاد درگاہ حضرت سید شاہ موسیٰ قادری رحمتہ اللہ علیہ (موقوعہ پرانا پل) کے سجادگان ہیں۔ جن کی سکونت پل قدیم کے پاس ہے۔ غالباً وہ اپنے گھر پر ہی فاتحہ وغیرہ ادا کرتے ہونگے لیکن یہاں کبھی عرس ہوتا ہوا نظر نہیں آیا۔

حضرت سید سہراب الدین چشتی عریاں شمشیر رحمتہ اللہ علیہ

یدائش سنہ بلدۂ حیدرآباد ۔ وفات سنہ ۱۰۸۷ھ ۱۶۷۶ء بلدۂ حیدرآباد

یہ بزرگ حضرت مولانا سید علی چشتی خلیفۂ حضرت خواجہ حسین شاہ
ی رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ ابتدائی اور مذہبی تعلیم والد
رگوار حضرت سید علی چشتی اور جد بزرگوار حضرت سید ہاشم رضوی رح
گرانی اور سرپرستی میں حاصل کی۔ ابھی سلوک اور عرفان کے
رج طے کرنے نہیں پائے تھے کہ ان دونوں بزرگوں کا سایہ
سے اُٹھ گیا۔ اس لئے آپ اس دور کے مشہور و معروف
رگ حضرت سید میراں جی حسین خداوند خدانما علیہ الرحمہ کی
ت میں حاضر ہوئے۔ اور یہیں سے فیض عرفان حاصل کرکے
خر ان ہی کے مرید اور خلیفہ ہوگئے۔

حضرت شاہ سہراب الدین علیہ الرحمہ سادات رضوی سے
ھے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت ہاشم بن سیدنا امام علی موسیٰ
ضا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتا ہے۔ سلطان عبداللہ قطب
اہ فرمانروائے گولکنڈہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں

آپ قلعہ کے اندر بالا حصار کی دیوار سے متصل ایک مسجد میں رہتے تھے۔ ایک دن ملک عنبر خواجہ سرائے قطب شاہی حضرت رح کی خدمت میں حاضر ہوا اور افعال بد و اعمال ممنوعہ سے توبہ کر کے ان کا مرید ہو گیا۔ خواجہ سرا کے مرید کرنے پر شہر حیدر آباد کے بعض مشائخین حضرت رح سے ناراض ہو گئے۔ حضرت رح نے اس واقعہ کو اپنے مرشد کامل حضرت میراں جی خدا نما رح کے علم میں لایا۔ حضرت میراں جی خدا نما رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

"بابا سہراب الدین خاطر جمع رکھو۔ حق تعالیٰ نے اسے مرد پیدا کیا ہے۔ کسی لڑکی سے شادی کر دو تو اولاد ہوگی۔"

پس حضرت رح نے پیر کامل کے حکم کی تعمیل میں ایک حسین دوشیزہ سے اُس کا عقد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سدی عنبر خواجہ سرا کو صلاحیت مردانہ عطا کی۔ اور ایک خوبصورت لڑکی پیدا ہوئی۔ یہ وہی ملک عنبر ہے جس کے نام سے ایک موضع عنبر پیٹھ، سدی عنبر بازار، نیز محبوب کی مہندی کے محلہ میں عنبر کی بنائی ہوئی مسجد آج بھی موجود اور مشہور ہے۔

غرض کہ شاہ سہراب الدین اُس دور کے مشہور ولی اور زبردست صوفی تھے۔ پیر پرستی اور خوش اعتقادی میں بے مثل، طہارت و تقویٰ اور حاجت روائی خلق اللہ میں بے نظیر تھے۔ مزاج میں گرمی اور نصفت شعاری تھی۔ "عریاں شمشیر" مرشد کا دیا ہوا لقب ہے۔

بعہد سلطان ابوالحسن تانا شاہ تاجدار گولکنڈہ ۱۰۳۱ھ ربیع الاولیٰ

۱۰۸۷ھ م ۱۶۷۶ء دو شنبہ کے دن سو برس سے زیادہ کی
عمر میں جنت کو سدھارے۔ مزار شریف محلہ لنگر حوض میں سنگم جانے
والی سڑک کے دائیں کنارے ایک چبوترہ پر واقع ہے۔

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے گولکنڈے کے محاصرہ کے دوران
میں ۱۰۹۸ھ م ۱۶۸۶ء) توپ کی گولہ باری سے حضرت رح کی درگاہ کا
شمال مغربی ایک ستون نشانہ بن گیا تھا۔ جو آج تک اسی حالت میں
موجود ہے۔ لیکن ستون یا مزار شریف کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس
واقعہ کو حضرت رح کی کرامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت رح کے اکلوتے صاحبزادے خواجہ امین الدین علی تھے۔
جو والد بزرگوار کے وصال کے تین دن بعد پیدا ہوئے اور آگے چل کر
یہی حضرت رح کے جانشین اور سجادہ ہوئے۔

دیکھو اولیائے دکن جلد اول صفحہ ۳۰۹، حدیقۂ رحمانی صفحہ ۵۵

درگاہ حضرت علیہ الرحمہ کا مزار لنگر حوض کے چوراہہ سے جنوبی سمت
سنگم اور نارسنگی کو جانے والی سڑک کے سیدھے ہات کی طرف تھوڑی
دور پر ہے۔ مزار ایک وسیع اور پختہ چبوترہ پر ہے۔ مزار پر غیر مخصوص
پتھر کی جو کھنڈی بنائی گئی ہے جسکی چھت اور ستون پتھر کے ہیں۔ اسی
چبوترہ میں ایک اور قبر ہے۔ جو حضرت رح کے صاحبزادے حضرت خواجہ
امین الدین علی رح کی ہے، اور وہ کچی کی ہے۔

حضرت رح کا پورا مزار بہترین سنگ موسیٰ کا ہے جسکے اطراف کٹہرا دار

کنگرے اُٹھے ہوئے ہیں۔ وہ ۷ فٹ ۵ انچ لمبا، ۲ فٹ چوڑا اور ۳ فٹ ۵ انچ بلند ہے۔ مزار کے سرہانے چبوترے کے نیچے بہت پرانا اور گھنا املی کا درخت ہے۔ جس کی شاخیں حضرت رح کی چوکھنڈی پر سایہ ڈال رہی ہیں۔

کتبہ بطور سنگ مزار یہاں کوئی کتبہ نہیں ہے البتہ اس دور کے ہاتفی نام کے کسی شاعر نے فارسی زبان میں مناسب حال ایک رباعی کہی ہے۔ جسکے آخری مصرعہ سے سنہ وفات برآمد ہوتا ہے۔ یہ رباعی ایک قدیم قلمی بیاض میں راقم الحروف کے نظر سے گزری جسکو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

شراب الدین رفتہ دید جاوید ؛ بجان بخش جہاں جاں را بہ بخشید
چنیں ساقی کوثر گفت تاریخ ؛ عجب جام شراب الدین نوشید
۱۰۸۷ھ

میرے محترم دوست مولانا سید شاہ نور اللہ حسینی صاحب چشتی الرضوی برادر سجادہ نشین درگاہ نے جو بلدۂ حیدرآباد کے مشہور خطاط اور حضرت علیہ الرحمہ کی اولاد میں ساتویں پشت کے پوتے ہوتے ہیں، ترتیب تذکرہ کے وقت ۵ ہ جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ بروز سہ شنبہ اپنے جد بزرگوار رح کے تعلق سے مداحی قطعہ راقم الحروف کے پاس بھجوایا ہے جس کو بجنسہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

عجب درگاہِ عالی حضرت شمشیر عریاں ست ؛ زیارت گاہِ عالم نزد موسیٰ متصل سنگم
ملا ایک آمدہ بہر زیارت بر درت شاہا ؛ نگاہِ فیض عرفاں کن بمن اے عارفِ اعظم

باؤلی چبوترے کے قریب مشرقی سمت میں ایک پختہ باؤلی ہے جس کا پانی میٹھا ہے اور کبھی خشک نہیں ہوتی۔

عرس حضرت علیہ الرحمہ کا سالانہ عرس ۲۴ ربیع الاول کو ہر سال پابندی سے ہوتا ہے عرس شریف میں فاتحہ اور چادر اندازی کے بعد کچھ دیر کے لئے مجلس سماع منعقد ہوتی ہے۔

حضرت بڑے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش سنہ ۱۰۰۸ھ موضع ملکہ پور ۞ وفات سنہ ۱۰۸۷ھ لنگر حوض
بلدہ حیدرآباد — سنہ ۱۶۷۶ء بلدہ حیدرآباد

حضرت سید شاہ عبدالقادر قادری الحمویؒ پورا نام اور بڑے حضرت صاحب عرف عام تھا۔ حضرت غوث الثانی سید شاہ میران حسین قادری الحمویؒ کے بڑے صاحبزادے اور پندرھویں پشت میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے پوتے ہوتے تھے۔ والد بزرگوار سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ بعد وصال پدر نامدار چالیس سال کی عمر میں مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔ بہت ہی صاحب تصرف بزرگ تھے، چنانچہ مؤلف کشف قبوری جو خود بھی ایک صاحب باطن بزرگ تھے، بطور آپ بیتی یہ واقعہ لکھتے ہیں کہ :۔ زمانہ صحرانوردی میں بیشتر بزرگان دین کی میں نے زیارت کی ہے۔ ایک دن بغرض زیارت و طواف روضہ ہر دو بزرگاں (سید میران حسین حموی، سید عبدالقادر قادریؒ) ملکہ پور پہنچا۔ اور مزار شریف حضرت سیدنا عبدالقادر قادریؒ پر سجدہ کر کے بے اختیار یہ بیت پڑھنے لگا۔

درکفن با تو ہم آغوش شدم ؛ روبرو دوشِ تو ہم دوش شدم

تھوڑی ہی دیر میں بڑے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزار شریف سے باہر رونق افروز ہوئے۔ میں نے فوراً ہی قدم پاک پکڑ لئے اور بوسہ دینے لگا۔ از راہ بندہ نوازی بڑے حضرت صاحب نے اس خادم کو بغلگیر فرما کر ہمکلامی کا شرف بخشا۔ اگرچہ میں نے بہت سے بزرگانِ دین کی زیارت کی تھی لیکن جو فیض نعمت مجھے یہاں سے ملا وہ کہیں میسر نہیں ہوا۔

مختصر یہ کہ بڑے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات روحانی اور خوارق عادات قید تحریر سے باہر ہیں۔ ۱۳ ماہ جمادی الاول ۱۰۸۷ھ م ۱۶۷۶ء کو (۷۹) سال کی عمر میں بعہد سلطان ابوالحسن تاناشاہ تاجدار گولکنڈہ وصال ہوا۔ اور موضع لنگر حوض متصل قلعہ گولکنڈہ والد بزرگوار کی خانقاہ میں دفن ہوئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پرانوار آج بھی مرجعِ خاص و عام ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو صرف ایک صاحبزادہ اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ نام یہ ہیں۔ سید محی الدین احمد بی بی صاحبہ، حمیدہ صاحبہ، شریفہ صاحبہ۔

(دیکھو مشکوٰۃ النبوۃ صفحہ ۳۲۵، حدیقۂ رحمانی صفحہ ۹۹، کشف قبوری)

درگاہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار خانقاہ کے درمیانی حصے میں ہے اس حصے کو اطراف سے دیواریں کھینچکر جنوبی سمت میں دروازہ نصب کرکے محفوظ کمرہ کی صورت میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

اس کمرہ کی اندرونی وسعت ۱۳ فٹ ۷ انچ مربع ہے۔ اس کمرہ میں مشرقی جانب ایک اور قبر ہے، جو حضرت رح کے صاحبزادے سید محی الدین احمد رح کی ہے۔ کمرہ کا اندرونی فرش اور قبور گچی کے ہیں۔ بڑے حضرت صاحب رح کا مزار ۵ فٹ ۱ انچ لمبا، ۲ فٹ ۷ انچ چوڑا، اور ۲ فٹ ۴ انچ بلند ہے۔ دونوں قبور کے اطراف ایک فٹ ۲ انچ بلند لکڑی کی جالی لگی ہوئی ہے۔

کتبہ کمرہ کے دروازہ کے اوپر سنگ سیلو کی ایک چھوٹی سی تختی پر حسب ذیل کتبہ کندہ اور نصب ہے۔

سید عبد القادر صاحب قادری قدس سرہٗ

فرزند بغدادی صاحب

عرس ان بزرگ کا علحٰدہ عرس نہیں ہوتا۔ البتہ حضرت غوث الثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس شریف کے موقع پر یہاں بھی روشنی ہوتی اور چادر گل چڑھائی جاتی ہے۔

حضرت سید محی الدین احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش سنہ حیدرآباد

وفات ۱۰۸۸ھ ۱۶۷۷ء بلدہ حیدرآباد

حضرت سید شاہ محی الدین احمد قادری نام اور بڑے محی الدین صاحب عرف تھا۔ حضرت سید شاہ عبد القادر قادری رح ملکہ پوری کے اکلوتے صاحبزادے اور حضرت غوث الثانی سید میراں حسین حموی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی پوتے ہوتے تھے۔ موضع ملکہ پور حیدرآباد میں پیدا ہوئے، اور والدین کے سایۂ عاطفت میں پروان چڑھے۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد سلسلۂ عالیہ قادریہ میں والد بزرگوار علیہ الرحمہ سے بیعت و خلافت حاصل کی۔ بعد وصال پدر بزرگوار رح ۱۰۸۷ھ ۱۶۷۶ء میں مسند خلافت پر فائز ہوئے اگرچیکہ حضرت رح کی مدت خلافت صرف ایک سال دو ماہ رہی لیکن اس قلیل عرصہ میں کافی مقبولیت حاصل کرلی اور ایک عالم کو اپنے فیض عرفاں سے بہرہ اندوز فرمایا۔ حضرت خواجہ سید امین الدین اعلیٰ بیجاپوری رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں سے تھے۔

۴ ماہ رجب المرجب ۱۰۸۸ھم ۱۶۷۷ء کو بعہد سلطان

ابوالحسن تانا شاہ تاجدار گولکنڈہ اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ اور لنگر حوض میں متصل مزار پدر بزرگوار علیہ الرحمہ دفن ہوئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تین صاحبزادے تھے۔ سید سعد الدین محمد، سید عبداللہ (سید عبدالقادر) اور سید محمد علی۔

دیکھو مشکوٰۃ النبوہ صـ ۳۴۹ تا حدیقۂ رحمانی صـ ۵۵۷
گلزار آصفیہ صـ ۳۶۶، اولیائے دکن جلد دوم صـ

مزار

لنگر حوض کی خانقاہ کے جس کمرے میں حضرتؒ کے والد بزرگوار حضرت سید عبدالقادر قادری رحؒ کا مزار ہے۔ اسی کمرے میں مشرقی جانب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ حضرت رحؒ کا مزار ۵ فٹ ۶" انچ لمبا، ۴ فٹ چوڑا اور ایک فٹ ۱۰" انچ بلند ہے۔ مزار یا کمرے کے دروازہ پر ان کے تعلق سے کوئی کتبہ نہیں ہے، اور نہ علحدہ عرس ہوتا ہے۔ بلکہ ان کے دادا کے عرس کے زمانہ میں یہاں بھی روشنی کیجاتی ہے۔ اور چادر گل چڑھائی جاتی ہے۔

حضرت حسینؒ بن احمدؐ رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش سنہ یمن ملک عجب ؛ وفات سنہ ۱۰۹۲ھ بلدۂ حیدرآباد
۱۶۸۲ء

یہ بزرگ نسلاً یمنی اور نسباً سادات حسینی تھے۔ تبلیغ اسلام کی خاطر وطن سے ہجرت کر کے مختلف ممالک کی سیر کرتے ہوئے سلطان ابوالحسن تاناشاہ آخری تاجدار گولکنڈہ (سنہ ۱۰۸۳ھ تا سنہ ۱۰۹۸ھ) کے زمانہ میں تنہا وارد بلدہ حیدرآباد ہوئے۔ اور شہر سے باہر پرانا پل کے قریب موسیٰ ندی کے کنارے موجودہ محلہ بہادرپورہ میں قیام پذیر ہوئے۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ بہت ہی خوش اوقات اور خوش اخلاق، پاکیزہ خصائل اور پابند صوم وصلوٰۃ، بہترین مقرر اور زبردست مبلغ، جید عالم اور درویش صفت صوفی تھے۔ زندگی بالکل متوکلانہ تھی۔ دنیوی امور سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ شہریان حیدرآباد بلا قید مذہب وملت حضرت علیہ الرحمہ سے خلوص اور عقیدت رکھتے تھے، اور ہر وقت دس پانچ آدمی حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے اطراف جمع رہتے تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی مقبولیت اور شہرت سکھوں کیلئے جو بہادر پورہ کے قریب ہی سکھ واڑی میں رہتے تھے، سوہانِ روح بنی ہوئی تھی۔ اور وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہلاکت کے درپے ہو گئے چنانچہ سکھوں نے ایک دن موقع پا کر ۹ ربیع الثانی سنہ ۱۰۹۲ھ م سنہ ۱۶۸۲ء کو بضرب شمشیر حضرتؒ کو شہید کر دیا۔ اس واقعہ سے عام مسلمانوں میں برہمی پھیل گئی اور جذبۂ انتقام پیدا ہو گیا لیکن مادھو عرف مادنّا دیوان حکومت گولکنڈہ نے حکمت عملی سے کام لے کر معاملہ کو ٹھنڈا کر دیا۔

مسلمانوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نعش کو اٹھا کر پرانا پل سے قریب موسیٰ ندی کے کنارے دفن کیا۔ جہاں اس سے پہلے کوئی قبر نہیں تھی۔ اور آج پرانا پل کے وسیع مرگھٹ میں قطب شاہی دور کا واحد مسلم مزار اس سیّد مظلوم علیہ الرحمہ کا ہے جو اس وقت بھی مرجع خلائق ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تصرف سمجھنا چاہئے کہ گزشتہ تین سو سال کے عرصہ میں کئی انقلاب آئے اور موسیٰ ندی میں بارہا نمونۂ قیامت طغیانیاں آئیں جس میں بڑے بڑے عالیشان محل اور عمارتیں، اونچے اونچے تناور درخت اور بلند بلند مضبوط فصیلیں حرف غلط کی طرح مٹ گئیں لیکن حضرتؒ کے مزار کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا۔

راقم الحروف فقیر طالع مؤلف کے دوست الحاج مولوی ریاست علی صاحب اور مولوی محمد عباس صاحب ندوی سرخیل بواہیر جماعت سلیمانیہ بیان کرتے ہیں کہ "ہمارے عزیز جہانگیر علی مرحوم متوفی ۱۳۸۱ھ کے عرصہ تک کوئی اولاد زندہ نہیں رہی، اور اس طرح ان کے پانچ چھ بچے ضائع ہوچکے تھے۔ مختلف تدبیریں کی گئیں، دوا دعا سے کام لیا گیا۔ مگر فائدہ نہیں ہوا۔ جب ہر طرف سے مایوسی ہوگئی تو انہوں نے حضرت علیہ الرحمہ کا توسل اور توسط اختیار کیا۔ وہ روزانہ حضرتؒ کے مزار پر جاکر فاتحہ دیتے، پھول چڑھاتے، جھاڑو دیتے۔ اور بارگاہ الٰہی میں اپنی حاجت طلب کرتے تھے۔ چنانچہ فضل الٰہی ان کے شامل حال ہوگیا اور انہیں ایک لڑکا اور ایک لڑکی دو اولادیں ہوئیں، جو بفضلہ تعالیٰ آج کی تاریخ ۲۱ صفر ۱۳۸۲ھ م ۲۴ جولائی ۱۹۶۲ء تک بقید حیات ہیں اور بحمد اللہ دونوں صاحب اولاد ہیں۔"

بہر حال خاص و عام اپنے مقاصد میں کامیابی کیلئے آج بھی حضرتؒ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ نواب سر اکبر حیدر نواز جنگ حیدری مرحوم وزیر اعظم دولت آصفیہ بھی بطور اظہار عقیدت دو مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے تھے۔

محل وقوع حضرتؒ کا مزار دروازہ پل (جدید) قدیم سے جنوب کی طرف ایک فرلانگ کے فاصلہ پر عین مرگھٹ (مسان) کے درمیان موسیٰ ندی میں ایک بلند اور تختہ

چبوترہ پر واقع ہے یہ چبوترہ ۴۲ فٹ ۳" انچ مربع اور ۲ فٹ ۱۱" انچ بلند ہے۔ چبوترہ چاروں طرف سنگ بستہ ہے اور درمیانی فرش مٹی کا ہے۔ چبوترہ پر چڑھنے کیلئے جنوب کی طرف پختہ سنگ بستہ چھ زینے ہیں۔ چبوترہ پر حضرت رح کا صرف ایک ہی مزار ہے جو موجودہ حالت میں پرانا پل کے وسیع مرگھٹ کے درمیان آگیا ہے جس کی وجہ سے رہرو بہت کم تمیز کر سکتے ہیں۔

مزار حضرت رح کا مزار نہایت پختہ اور سنگ بستہ ہے۔ اس کے چاروں طرف پتھر کی لمبی لمبی سلیں نصب ہیں۔ مزار ۹ فٹ ۱۰" انچ لمبا، ۷ فٹ ۱" انچ چوڑا اور ۳ فٹ اونچا ہے مزار کا درمیانی تعویذ جو ۵ فٹ ۱۰" انچ لمبا، ۲ فٹ ۱۰" انچ چوڑا ایک فٹ ۴" انچ اونچا ہے۔ بہترین سنگ خارا کا ہے۔ تعویذ کے اس پتھر پر تین سمتوں میں بخط نسخ حضرت رح کا نام معہ ولدیت اور تاریخ وفات خوب صراحت ذیل کندہ ہے

کتبہ مزار کے تعویذ کا مذکورہ بالا کتبہ یہ ہے۔

۱۰۰۶ھ [illegible]

[illegible]

هذا القبر السيد المحقق والاخ الامجد

عرس یہاں نہ تو کوئی مجاور ہے نہ متولی۔ نہ صندل چڑھتا ہے، نہ عرس ہوتا ہے۔

بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

کا مصداق ہے۔ البتہ معدودے چند واقف کار عقیدتمند بعض دفعہ آکر مزار پر پھول چڑھاتے اور فاتحہ دے جاتے ہیں

حضرت رمضان علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش سنہ شمالی ہند ٭ وفات سنہ ۱۰۹۲ھ ۱۶۸۲ء بلدۂ حیدرآباد

یہ سالک مجذوب صفت بزرگ علم تصوف کے بڑے ماہر تھے۔ عمر کا زیادہ حصہ سیر و سیاحت میں گزرا۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ تاجدار گولکنڈہ کے دور حکومت میں شمالی ہند سے بلدۂ حیدرآباد تشریف لائے اور حسینی علم کے عاشورخانہ کے قریب سکونت پذیر ہوے۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی بالکل درویشانہ اور متوکل تھی۔ متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ اپنے وقت کے بہت ہی بافیض اور صاحب کشف و کرامات، خلایق سے بے نیاز اور چشتیہ سلسلے کے زبردست صوفی تھے دنیوی امور سے کوئی سروکار نہ تھا۔

عالمی پہلی جنگ عظیم سنہ ۱۹۱۴ تا سنہ ۱۹۱۸ء کا ایک واقعہ محمد وزیر جمعدار مرحوم ساکن لنگر حوض بیان کرتے تھے کہ اُن کے کسی عزیز کا

لڑکا حیدر آبادی فوج میں بھرتی ہو کر جنگ پر گیا ہوا تھا۔ اتفاق سے یہاں کسی نے اس کے مارے جانے کی خبر اڑا دی۔ اس بری خبر کے سنتے ہی اس کے باپ پر بجلی گر پڑی۔ پریشانی کے عالم میں وہ شخص دوڑ کر حضرتؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اور مزار شریف سے لپٹ کر روتے ہوئے یہ نذر مانی کہ:۔ "اگر میرا لڑکا صحیح و سلامت جنگ سے واپس آئیگا تو صدق دل سے حضرتؒ کی نیاز ادا کروں گا" چنانچہ اسی رات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے خواب میں پہنچکر اس کے فرزند کے زندہ سلامت واپس آنے کی بشارت دی۔ اور ٹھیک چھ ماہ بعد وہ لڑکا بخیر و عافیت میدان جنگ سے واپس آگیا۔ تو اس کے والد نے حسب وعدہ دھوم سے نیاز ادا کی۔

محلہ کبوتر خانۂ قدیم میں جہاں حضرتؒ کا مزار ہے بعض لوگ آج بھی ایسے موجود ہیں مثلاً پہاڑی والے شیخ صاحب اور چھاپے خانہ والے غلام حسین صاحب وغیرہ جنہوں نے آدھی رات کے بعد حضرت علیہ الرحمہ کو مزار شریف سے باہر نکلتے، محلے میں گھومتے اور حضرت شاہ راجو علیہ الرحمہ کے گنبد کی طرف تشریف لیجاتے دیکھا ہے۔

۲۰ ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۰۹۲ھ م سنہ ۱۶۸۲ء کو بزمانۂ سلطان ابو الحسن تانا شاہ تاجدار گولکنڈہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور اپنے سکونتی مقام پر دفن ہوئے۔

(جدید)

محل وقوع حضرت علیہ الرحمہ کا مزار محلۂ کبوتر خانہ قدیم میں ڈیوڑھی بنبشی راجہ کے مقابل پیپل کے درخت کے نیچے مٹی کی چار دیواری کے اندر آبادی سے متصل واقع ہے۔ اس چار دیواری میں داخلے کا راستہ جنوب کی طرف سے ہے۔

مزار حضرت علیہ الرحمہ کا مزار مکمل سنگ خارا کا ہے، اور بہتر حالت میں ہے۔ وہ ۷ فٹ ۱۱ انچ لمبا، ۴ فٹ ۲ انچ چوڑا، اور ۵ فٹ ۱۱ انچ بلند ہے۔

عرس ہر سال ماہ ذی الحجہ کی ۱۹ اور ۲۰ تاریخ کو حضرت کا عرس ہوتا ہے۔ بہاری والے شیخ صاحب اور چائے خانہ والے غلام حسین صاحب کو اس درگاہ سے خاص عقیدت ہے۔ اور یہی حضرات مختلف چندوں اور عطیوں سے ہر سال عرس شریف کے انتظامات کیا کرتے ہیں۔ حاجتمند آج بھی حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے رجوع کرتے اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ راجو رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش سنہ بیجاپور　　وفات سنہ ۱۰۹۲ھ / ۱۶۸۲ بلدۂ حیدرآباد

سید شاہ یوسف الحسینی ثانی نام اور شاہ راجوؒ لقب تھا۔
زرگ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے
ے سلسلۂ نسب اس طرح ہے:۔ شاہ راجو بن شاہ اسد اللہ بن
د شاہ صفی اللہ بن شاہ راجو بیجاپوری بن شاہ صفی اللہ بن شاہ
سد اللہ رحمۃ اللہ علیہ الخ۔

بیجاپور میں پیدا ہوئے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد سلطان عبداللہ
ب شاہ تاجدار گولکنڈہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے آخری زمانے
ں بلدۂ حیدرآباد تشریف لائے اور یہاں اپنے چچا حضرت سید
سینی کی خدمت میں رہ کر ظاہری اور روحانی تعلیم کے اعلیٰ مدارج
ے کئے اور پھر ان ہی سے بیعت و خلافت حاصل کی۔ سلطان عبداللہ
ب شاہ کو حضرت علیہ الرحمہ کا بہت ادب و احترام ملحوظ تھا۔ اور
ند دیہات و مواضعات مثلاً موضع کنگرہ وغیرہ بطور جاگیر حضرت
اہ راجوؒ کے نذر کئے۔ ابوالحسن تاناشاہ کو بادشاہ کی دامادی کیلئے

منتخب کرنے میں اسی اعتقاد نے کام کیا۔ اور بعد وفات سلطان
عبداللہ قطب شاہ ابوالحسن تاناشاہ کی تخت نشینی میں حضرت شاہ
راجو علیہ الرحمہ کا بہت بڑا حصہ تھا۔ حضرت رح نے اپنے دوسرے مریدوں
کی طرح ابوالحسن کو تاناشاہ کا لقب عطاء کیا تھا۔ بادشاہ بننے کے
بعد ابوالحسن تاناشاہ نے اپنی ایک لڑکی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے
صاحبزادے کے نکاح میں دی تھی۔

حضرت شاہ راجو علیہ الرحمہ بڑے ہی صاحبدل اور صاحب
تصرف بزرگ تھے۔ بقول صاحب مشکوٰۃ النبوہ ۷ جمادی الاول
۱۰۹۲ھ م ۱۶۸۲ء اور بقول بعض ۲۲ صفر ۱۰۹۳ھ کو بعہد
سلطان ابوالحسن تاناشاہ فرمانروائے گولکنڈہ حضرت رح کا وصال
ہوا۔ اور بیرون فتح دروازہ دفن ہوئے۔ سلطان ابوالحسن تاناشاہ
نے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے مزار پر ایک وسیع مقبرہ اور عالی شان گنبد
تعمیر کروایا۔ گنبد کا طلائی کلس عہد نواب میر نظام علیخاں آصفجاہ ثانی
اور اندرون گنبد مزار کے اطراف لکڑی کی خوبصورت جالی زین دکن
نواب ناصر الدولہ آصفجاہ چہارم کے دور کی یادگار ہے۔

حضرت شاہ راجو رحمۃ اللہ علیہ شاعر بھی تھے۔ حضرت رح کے
ملفوظات کا مجموعہ زاد المومنین اور اردو کلام کتب خانہ ادارہ
ادبیات اردو میں محفوظ ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادے
سید شاہ اکبر حسینی تھے۔ جو بعد وفات پدر بزرگوار مسند نشین

رشد و ہدایت ہوئے۔
دیکھو: مشکوٰۃ النبوۃ صـ ۳۴۷ ، گلزار آصفیہ صـ ۴۳۴ ، اولیائے دکن جلد اول صـ ۳۲۷
حدیقہ رحمانی صـ ۵۶۳ ، تذکرہ مخطوطات جلد اول صـ ۳۱۴
تذکرہ مخطوطات جلد دوم صـ ۵۴۵ ، تذکرۂ مخطوطات جلد چہارم صـ ۱۸۲

گنبد

حضرت علیہ الرحمہ کا عالی شان گنبد فتح دروازہ کے باہر جنوب کی طرف واقع ہے۔ یہ گنبد اپنی طرز تعمیر اور رفعت و عظمت کے لحاظ سے مختلف اوقات میں بیرونی سیاحوں اور ماہرین فن تعمیر کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ گنبد میں داخلہ کے لئے مشرق اور جنوب میں دو دروازے ہیں لیکن عام طور پر جنوبی سمت کا دروازہ بند رہتا ہے۔ دروازوں کی چوکھٹ صاف و شفاف اور اعلیٰ قسم کے سنگ موسیٰ کی ہے۔

گنبد کی اندرونی وسعت شرقاً غرباً ۳۹ فٹ ۳ انچ اور شمالاً جنوباً ۳۵ فٹ ۲ انچ ہے۔ فرش چونے کا ہے، اس گنبد کے اندر فی الحال چار مزار ہیں۔ گنبد کا درمیانی مزار جو لکڑی کی تو بصورت دوہری جالی کے اندر ہے وہ حضرت شاہ راجو رحؒ کا ہے۔ پائین میں مغربی سمت کا مزار حضرتؒ کے منجھلے صاحبزادے کا اور مشرقی سمت کے دو مزاروں میں روضہ سے متصلہ مزار حضرتؒ کے چھوٹے صاحبزادے کا، اور باب الداخلہ سے متصلہ مزار سیدہ شاہ گیسو دراز یعنی سجادہ نشین کا ہے جو حضرت شاہ راجوؒ کی اولاد میں آخری فرد تھے اور لاولد فوت ہوئے

لکڑی کی دوہری جالی

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کے اطراف میں لکڑی کی موجودہ خوبصورت دوہری جالی فضیلت النساء بیگم والدہ نواب ناصر الدولہ آصفجاہ چہارم نے شاہزادہ تولد ہونے کی مسرت میں ۱۲۰۸ھ میں بنوائی۔ پہلی اور بڑی جالی ۲۱ فٹ ۷" انچ لمبی اور ۱۷ فٹ ۱۱" انچ چوڑی ہے اس جالی کے اندر کی دوسری چھوٹی جالی ۱۲ فٹ ۸" انچ لمبی، اور ۹ فٹ چوڑی ہے۔ اسی جالی کے اندر حضرت علیہ الرحمہ کا مزار ہے

مزار

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا مزار بالکل سیدھا سادہ اور کالی مٹی کا ہے۔ وہ ۷ فٹ ۳" انچ لمبا، ۴ فٹ ۹" انچ چوڑا اور ایک فٹ ۱۱" انچ اونچا ہے۔ مزار کے اطراف میں اور دونوں جالیوں کے درمیان میں باریک گچی کا پختہ فرش ہے۔ یہاں کسی قسم کا کوئی کتبہ نہیں ہے۔

عرس

حضرت علیہ الرحمہ کا سالانہ عرس ۱۴ صفر تا ۱۶ صفر کو ہر سال پابندی سے ادا ہوتا ہے۔ ۱۴ صفر کو صندل ۱۵ صفر کو جشن چراغاں اور قوالی، ۱۶ صفر کو ختم قرآن پاک اور فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ اس دن گروہ رفاعیہ کے فقیر دف بجا کر گاتے اور ضربات لگاتے ہیں۔ مہمانوں کی کھانے سے تواضع کیجاتی ہے۔ اچھا خاصہ میلہ لگتا ہے۔ موجودہ وقت میں مولینا شاہ محمد حیدرالدین محمد محمد الحسینی اس درگاہ کے متولی اور سجادہ نشین ہیں جو لاولد سجادہ سید شاہ گیسو دراز حسینی مرحوم کے بھانجے اور داماد ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ جھاڑو رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش ۱۰۱۶ سنہ مکہ معظمہ وفات ۱۰۹۶ سنہ ۱۶۸۵ء بلدہ حیدرآباد

سید شاہ زندہ حسین نام اور شاہ جھاڑو عرف تھا۔ سید صحیح النسب تھے۔ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں نشو و نما پائی۔ خانہ کعبہ کے موروثی جاروب کش تھے۔ حوادثات زمانہ سے مجبور ہو کر حضرت اور حضرت کے بھائی ہجرت کے خیال سے دولوں کشتی میں سوار ہو گئے۔ اتفاق سے کشتی ڈوب گئی اور حضرت رح کے بھائی سمندر میں ڈوب گئے۔ شاہ جاروب کشتی کے ایک تختے کے سہارے دو تین روز بعد کسطرح کنارے پر پہنچ گئے۔ اور بزمانہ سلطان ابو الحسن تانا شاہ تاجدار گولکنڈہ بلدہ حیدرآباد تشریف لائے۔ یہاں آنیکے بعد شاہ صاحب رح نے حضرت سید اکبر حسینی فرزند حضرت سید شاہ راجو علیہ الرحمہ کے ہاتھ پر چشتیہ سلسلے میں بیعت کی اور کچھ عرصے کی خدمت اور ریاضت کے بعد مجذوبانہ کیفیت پیدا کر لی۔ چونکہ ہر وقت حضرت رح کے ہاتھ میں جھاڑو رہتی تھی، اس لئے عام طور پر لوگ انہیں شاہ جھاڑو کے نام سے پکارنے

لگے ۔حضرت علیہ الرحمہ کا معمول تھا کہ کوچہ و بازار میں جہاں کہیں مسجد
نظر آجائے جھاڑو دے کر کوڑا کرکٹ صاف کر دیا کرتے تھے ۔
کہتے ہیں کہ ایک دن سلطان ابو الحسن تانا شاہ کی سواری شہر
سے گزر رہی تھی ۔شاہ صاحبؒ سڑک کے کنارے کہیں موجود
تھے ۔تانا شاہ کو دیکھتے ہی گالیاں دینے لگے ۔تانا شاہ غصہ میں
آکر حکم دیا کہ :۔

"اس بدزبان شخص کو پکڑ کر طوق و زنجیر
کے ساتھ قلعہ میں قید کر دو "

چنانچہ شاہی ملازمین نے فوراً ایسا ہی کیا لیکن دوسرے دن صبح
میں دیکھتے ہیں کہ شاہ صاحب روزانہ کی طرح شہر میں موجود ہیں
بس اس وقت سے خاص و عام حضرت علیہ الرحمہ کے معتقد ہو گئے ۔
حضرت علیہ الرحمہ بہت ہی خلیق اور ملنسار تھے ۔پالکی کی
سواری بہت پسند تھی کہیں دعوت میں جاتے تو میزبان حضرتؒ کے
لئے پالکی بھیجتا تھا ۔اسّی سال کی عمر میں ۲۶ ذی الحجہ ۱۰۹۶ھ بعہد سلطان
۱۶۸۵ء

ے تذکرۂ اولیائے دکن میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات
ماہ جمادی الثانی ۱۰۹۶ھ درج ہے جو صحیح نہیں ہے ۔۱۵ جمادی الثانی
۱۰۹۶ھ کو حضرتؒ کے مرید گلزار علی شاہ اول کی وفات واقع ہوئی
ہے ۔جن کا مزار وہیں قریب میں موجود ہے ۔

ابوالحسن تانا شاہ جنت کو سدھارے اور چار مینار کی جنوبی سمت پنچ محلہ کے سامنے شاہ علی بنڈہ سڑک کے بائیں کنارے دفن ہوئے جہاں بڑ کا بہت بڑا قدیم درخت سایہ کیا ہوا ہے۔ یہ چھوٹا سا قبرستان حضرت رحؒ کے نام سے موسوم ہے۔ سالانہ عرس ہوا کرتا ہے دیکھو گلزار آصفیہ صفحہ ۳۵۳، تذکرہ اولیائے دکن جلد اول ۴۳

درگاہ

حضرت علیہ الرحمہ کا مزار بغیر چھت کی چار دیواری میں سڑک سے کسی قدر فاصلہ پر ہے۔ پہلی قبر جو سڑک سے متصل بڑ کے گھنے جھاڑ کے نیچے لوہے کی جالی کے اندر ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مرید صادق اور خادم مخلص گلزار علی شاہ اول کی ہے۔ جن کا حضرت رحؒ کے زمانۂ حیات میں انتقال ہوا ہے۔ اس کے بعد دوسری قبر جو سڑک سے کسیقدر ہٹ کر کمانوں کے اندر چھت والے حصہ میں ہے، وہ حضرت رحؒ کے دوسرے خادم گلزار علی شاہ ثانی کی ہے۔ اسی مزار کے بالائی منزل پر موجودہ متولی کی سکونت ہے۔ اس قبر کے مشرقی جانب تیسری اور آخری قبر جو بغیر چھت کی چار دیواری میں نظر آتی ہے، وہ حضرت شاہ جھاڑو رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ یہ چار دیواری ۱۶ فٹ ۴ انچ لمبی اور ۱۰ فٹ ۵ انچ چوڑی ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کا مزار مٹی اور چونے کا ہے لیکن بوسیدہ اور شکستہ ہوگیا ہے۔ چار دیواری کا اندرونی فرش مٹی کا ہے۔ اسکی جنوبی دیوار میں باب الداخلہ نصب ہے۔ مزار پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

مزار کے پائین میں مشرقی دیوار سے لگی ہوئی سنگ موسیٰ کی چھوٹی سی خوب صورت کشتی رکھی ہوئی ہے۔ جو چشتیہ سلسلہ کی کھلی علامت ہے۔ یہ کشتی ۲ فٹ ۷" انچ لمبی اور ایک فٹ ۲" انچ چوڑی ہے۔

مسجد و ملگیات درگاہ شریف کے جنوبی سمت دو تین گز کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کے صحن میں نل نصب ہے۔ یہاں بھی کوئی کتبہ نہیں ہے۔ مسجد کے عقبی حصے میں لب سڑک چار ملگیات ہیں، جنکی آمدنی موجودہ متولی عبدالجبار صاحب حاصل کر کے مسجد کی صفائی و آب پاشی اور بانگ و صلوٰۃ، درگاہ کی روشنی اور عود و گل کا انتظام کرتے ہیں۔

عرس ہر سال ۲۶ ماہ ذیحجہ کو عرس ہوا کرتا ہے سابق میں اعلیٰحضرت حضور نظام کے ذاتی خزانے سے پچھتر روپیہ عرس کا معمول ملا کرتا تھا جو اب موقوف ہوچکا ہے۔ بحالت موجودہ متولی صاحب ہی مراسم عرس کا انتظام کر لیتے ہیں۔

حضرت سید سعد الدین محمد قادری ملکہ پوری رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش سنہ بلدۂ حیدرآباد　　وفات سنہ ۱۰۹۸ھ ۱۶۸۷ء بلدۂ حیدرآباد

بلدۂ حیدرآباد میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو و نما پائی۔ والد بزرگوار حضرت سید شاہ محی الدین احمد قادری عرف بڑے محی الدین صاحبؒ سے جو حضرت غوث الثانی سید شاہ میراں حسین حموی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی پوتے ہوتے تھے بیعت و خلافت حاصل کی تھی۔ بعد رحلت پدر بزرگوار سنہ ۸۸ھ میں مسند آرائے خلافت ہو کر دنیا کو فیض عرفان اور رشد و ہدایت سے فیض پہنچائے۔

حضرتؒ کو گوشۂ قناعت اور تنہائی بہت پسند تھی۔ جہاں تک ہوسکے امیروں اور رئیسوں، وزیروں اور عہدہ داروں سے دور رہتے تھے۔ غریبوں کے ساتھ ہمدردی میں کوتاہی نہیں فرماتے تھے۔ ہر جمعرات کو علی الصباح قبرستان میں جاکر فاتحہ پڑھتے۔ اور جمعہ کے دن بعد نماز بیمار مریدوں اور معتقدوں کی مزاج پرسی فرماتے تھے۔

۱۷ ماہ رجب ۱۰۹۸ھ م ۱۶۸۷ء بعہد سلطان ابوالحسن تانا شاہ وصال ہوا۔ درگاہ شریف حضرت غوث الثانی رح موقوعہ لنگر حوض میں دفن ہوئے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے دو صاحبزادے تھے سید عبدالقادر عرف حضرت صاحب۔ اور دوسرے سید محی الدین عرف بڑے صاحب۔

بعد وفات حضرت رح کے بڑے صاحبزادے سید عبدالقادر قادری عرف حضرت صاحب قادری قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے (دیکھو مشکواۃ النبوہ صہ ۳۵۸، حدیقہ رحمانی ۵۶۹ اولیائے دکن جلد اول صہ ۳۸۹)

مزار حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار روضۂ اجداد واقع لنگر حوض میں خانقاہ اور گنبد کے درمیان کھلے چبوترے پر ہے اس وسیع اور مصفا چبوترے پر متعدد قبور چار صفوں میں ہیں اور ان ہی میں حضرت رح کا مزار بھی ہے۔ لیکن اس چبوترے کے کسی مزار پر کوئی کتبہ نہیں ہے اور نہ اس وقت یہاں کوئی ایسا واقف کار شخص ہے جو حضرت رح کے مزار کی نشاندہی کرسکے۔ اس لئے مزار کی صحیح نشاندہی سے راقم الحروف مجبور ہے۔

حضرت میر محمود رحمتہ اللہ علیہ

پیدائش سنہ نجف اشرف — وفات سنہ ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۸ء بلدۂ حیدرآباد

سید شاہ عماد الدین محمد محمود الحسینی نام، محمود مولیٰ لقب اور میر محمود عرف تھا۔ امام ہشتم حضرت سیدنا امام علیؑ موسیٰ رضا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے تھے۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے آبا و اجداد شہر نجف میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک اور امام الائمہ مولائے کائنات حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی بارگاہ کے موروثی متولی تھے۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ شہر نجف میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ اپنے وقت کے صاحب کمالوں سے علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ طلب حق کے جذبہ نے عین عالم شباب میں اپنا اثر دکھایا تو الہام غیبی کی بنا پر وطن عزیز سے ہجرت کر کے پچاس فقراء اور معتقدین کے ساتھ شہر بیدر (محمد آباد) تشریف لائے یہاں حضرت مولینا سید شمس الدین حسینی عرف شمس ہولی (نبیرۂ حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی رحمتہ اللہ علیہ) سجادہ درگاہ شاہ خلیل اللہ

بت شکن رح کی خدمت میں مسلسل تین سال رہ کر درجۂ کمال کو پہنچے۔ اور سلسلۂ نعمت اللٰہی میں شرف بیعت و خلافت سے سرفراز ہو کر مرشد کامل کی ہدایت و ایما پر بعہد سلطان عبد اللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) تاجدار گولکنڈہ وارد شہر حیدر آباد ہوئے اور پہاڑی واقع تالاب میر عالم پر سکونت پذیر ہوئے۔

تمام مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت شاہ میر محمود رح بہت ہی عارف کامل اور درویش واصل، خوش مزاج اور وسیع الاخلاق، کریم النفس بزرگ تھے۔ اپنے زمانہ میں تمام علوم و فنون خصوصاً علم کیمیا اور دست غیب میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ہی گنبد اور خانقاہ پہاڑی کی جملہ عمارات یکمنزلہ و دو منزلہ اور سہ منزلہ بصرفۂ ذاتی تعمیر کروائے۔ دوران تعمیر میں مزدوروں کو دوچند اجرت دیتے تھے، اور حاملہ عورتوں کو مقررہ دوچند اجرت کے علاوہ پیٹ میں کے بچے کی مزدوری بھی عنایت ہوتی تھی۔ آخر عمر تک پہاڑی پر ہی رہے، شہر کی طرف کبھی رخ نہیں فرمایا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات اور خوارق عادات کی سینکڑوں روایتیں مشہور ہیں۔ ازاں جملہ مشہور واقعہ یہ ہے کہ محلات و عمارات کی تعمیر کے دوران حضرت علیہ الرحمہ نے تیل کی بجائے پانی سے چراغ اور مشعلیں روشن کر کے مزدوروں سے کام لیا۔ کیونکہ دوچند اجرت کی لالچ میں مزدور رات کے وقت حضرت رح کے

پاس کام کرتے تھے۔ اور دن میں تاناشاہی چار محل اور گنبد شاہ
راجو رحؒ کی تعمیر میں مصروف رہتے تھے۔ سلطان ابوالحسن تاناشاہ
مرید حضرت شاہ راجو رحؒ نے خاص طور پر حضرت علیہ الرحمہ کیلئے تیل کی
فروخت پر پابندی عاید کردی تھی۔

۱۳؍ ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۱۰۰ھ م سنہ ۱۶۸۸ء کو حضرت علیہ الرحمہ
کا وصال ہوا۔ "بحر فیض" سے تاریخی سال وفات برآمد ہوتا ہے
بعد وفات حضرت رحؒ کے صاحبزادہ سید شمس الدین حسینی عرف
شمس مولیٰ ثانی مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔ مزار شریف
کے دائیں جانب گنبد کے اندرونی حصہ میں کافی بلندی پر ایک صندوقچہ
رکھا ہوا ہے جس پر چونہ کی استرکاری کردی گئی ہے۔ اس قلمدان
کے تعلق سے عام طور پر یہ روایت مشہور ہے کہ حضرت رحؒ نے
پانچ عدد لعل بدخشاں محفوظ کئے ہیں۔ اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ اس
میں قیمتی آثار اور اہم تبرکات ہیں۔ بہرحال یہ صندوق ایک گنج مخفی
اور ایک راز سربستہ ضرور ہے جس کو کھولنے یا ہاتھ لگانے کی آج
تک کسی نے جرأت نہیں کی۔

دیکھو مشکوٰۃ النبوۃ صفحہ ۳۴۹، گلزار آصفیہ صفحہ ۳۴۱، حدیقہ رحمانی صفحہ ۵۶۶
تذکرہ اولیائے دکن جلد دوم صفحہ ۶۷۷، مآثر دکن صفحہ

محل وقوع

حضرت علیہ الرحمہ کا گنبد تالاب میر عالم کے مغربی
کنارے چڑیا گھر سے مزرعہ حمایت ساگر جانے والی

سڑک کے بائیں جانب پہاڑ پر واقع ہے۔ دامن پہاڑ سے گنبد تک
پہنچنے کیلئے چار دروازے اور تھوڑی دور پر سیڑھیاں
بنی ہوئی ہیں، جن کی تعداد (۱۰۱) ہے۔ گنبد کے بارہ پہلو اور چار
دروازے ہیں، ہر دروازہ کی چوکھٹ پتھر کی ہے۔ گنبد کی چوٹی پر
پیتل کے پنجہ کا نشان بطور کلس نصب ہے، گنبد کا اندرونی فرش گچی کا
ہے، جس کا قطر ستّرہ فٹ ہے۔

مزار

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قبر لال مٹی کی ہے لیکن ہر سال صندل
چڑھانے سے سفید اور سرخی مائل پڑ گئی ہے، وہ ۶ فٹ
۶" انچ طویل، ۳ فٹ ۸" انچ عریض اور ۲ فٹ ۱" انچ بلند ہے۔
۱۳۱۷ھ میں کسی معتقد نے مزار کے اطراف میں ایک فٹ ۶" انچ
اونچا لکڑی کا چوکھٹا (بغیر چھت کا شامیانہ) بنوا کر کھڑا کیا ہے
جس کے مغربی پہلو پر حسب ذیل تاریخی عبارت "پر فیض مقام محمود"
لکھی ہوئی ہے۔ بالین مزار مخروطی شکل کی کپڑے کی ٹوپی ۱۳۱۷ھ رکھی ہوئی
ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت علیہ الرحمہ اسی قسم کی ٹوپی (تاج) اپنے سر پر
رکھتے تھے۔ چنانچہ چشتیہ سلسلہ کے اکثر صوفیائے کرام اسی قسم کی
ٹوپی استعمال کئے ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی مزار گنبد کے نیچے "تہہ خانہ"
کے اندر ہے۔ تہہ خانہ میں جانے کا راستہ اسی چبوترہ کے
شمالی حصے میں سے ہے جس پر گنبد واقع ہے۔ چبوترہ فرش سلکو سے

آراستہ ہے۔ بیجر منتی کی روک تھام کے لئے پچاس برس سے یہ آستہ بند کر دیا گیا ہے۔ اور اس کے منہ پر پتھر کی سلیں (کڑیاں) رکھ دی گئی ہیں۔ جو عام طور پر نظر آتی اور پہچانی جا سکتی ہیں۔

مسجد اور خانقاہ صحن درگاہ میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کی پرانی چھت بوجہ بوسیدگی بدل دی گئی کر سیمنٹ کی نئی چھت ڈال دی گئی ہے۔ مسجد کے جانب شمال پختہ اور وسیع خانقاہ فرش سیلو سے آراستہ ہے، جو زینہ بزینہ تین درجوں میں تقسیم ہے۔ خانقاہ کے بالائی حصے کی کمانوں اور چھت پر ابھرے ہوئے نقش ونگار اور "یا اللہ المحمود فی کل فعالہ" تحریر ہے۔

عاشور خانہ اور حجرۂ قدم رسول خانقاہ کے وسطی حصہ کے شمالی پہلو پر ایک وسیع عاشور خانہ ہے جس میں چونہ اور گچی کا فرش ہے۔ یہاں ہر سال ماہ محرم میں علم بٹھائے جاتے ہیں۔ یہ نقرسی اور پیتلی علم جو تعداد میں جملہ (۱۹) تھے۔ اور جن کو بار بار راقم الحروف بھی دیکھ چکا تھا۔ ماہ صفر ۱۳۷۷ھ میں سونے چاندی کی لالچ میں سرقہ ہو گئے۔ عاشور خانہ کی چاروں دیواروں میں نستعلیق خط میں قرآنی آیات اور بارہ امام کے نام، حافظ علیہ الرحمہ کے اشعار اور کچھ فارسی تحریریں ہیں۔ جو مرور ایام اور سالانہ آہک پاشی کی وجہ سے تقریباً محو اور ناقابل قرأت

ہو گئی ہیں۔

خانقاہ کے آخری حصے میں عاشورخانہ کے متصل و ملحق تمز بلند دو کمرے ہیں۔ ان دو کمروں میں چونہ اور گچی کا فرش ہے۔ پہلا کمرہ ضروری سامان کی نگہداشت اور رہائش کے لئے استعمال ہوتا ہے دوسرا اور آخری کمرہ حجرۂ قدم رسول کے نام سے موسوم ہے۔ حجرہ قدم رسول میں علاوہ نشان قدم کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عصا اور لکڑی کی ایک بڑی کشتی رکھی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ سنگ موسیٰ کی ایک بڑی چٹان پر آیت چہل کاف اور نقش چہل کاف ابھرا ہوا کندہ موجود ہے۔ اس چٹان کو تینتیس سال قبل مولوی شمس الدین حسینی مرحوم برادر سید شاہ علی رضا حسینی سجادہ نے کندہ کروا کر رکھوایا ہے حجرۂ قدم رسول کی چھت گنبد نما ہے۔

مجالس خانہ اور عرش محل

مجالس خانہ کی عمارت خانقاہ کے عقبی حصے میں واقع ہے۔ اور اس میں فی الوقت متعلقین درگاہ کی بود و باش ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت میر محمد علیہ الرحمہ کی نشست و برخاست اپنے مرید و معتقدین کے ساتھ اکثر اوقات اسی مکان میں رہتی تھی۔

مجالس خانہ کے اوپر تیسری منزل پر عرش محل ہے۔ جہاں اطراف و جوانب کے دلفریب مناظر کوسوں تک نظر آتے ہیں۔ عرش محل کا کچھ حصہ بوجہ قدامت بوسیدگی شکستہ ہو گیا تھا جس کی مرمت اضافہ

مکا ینزت کے ساتھ نواب لطیف یار جنگ مینائی سابق ناظم و معتمد امور مذہبی دولت آصفیہ نے اپنے دور میں کروائی۔

شفا محل اور محمود محل

محمود محل :- یہ اسم با مسمیٰ محل دوسری منزل پر واقع ہے۔ جسکو حضرت محمود مولیٰ رح نے محض اپنی تنہا رہائش کے لئے مختص فرمایا تھا۔ اور آج تک اس مکان میں حضرت رح کی اولاد اور سجّادگان ہی قیام پذیر رہتے ہیں۔ چنانچہ متولیہ حال محترمہ فیض النساء بیگم صاحبہ بھی اسی مکان کے بڑے ہال میں تشریف رکھتی ہیں، اور اسی محل کے زیرین حصے میں "چاہ محمود" واقع تھی جسکے پانی سے بدوران تعمیر عمارات حضرت رح نے مشعلیں روشن کیں۔ محمود محل کے بڑے ہال میں خاص صفت یہ ہے کہ اس میں چھوٹے بڑے محراب سینکڑوں کی تعداد میں بنائے گئے ہیں۔ اگرچیکہ یہاں اور بھی عمارات ہیں لیکن محمود محل کا محل وقوع کچھ اس ڈھب کا ہے کہ یہاں بیٹھے ہی بیٹھے میلوں دور کی تفریح ہو سکتی ہے۔ اور "شیر دہاں بندہ" بھی نظر آتا ہے۔

محمود محل کے عقبی حصے میں شفا محل واقع ہے۔ یہ قدیم اور سنگ بستہ عمارت عدم نگہداشت کے باعث جا بجا سے منہدم اور شکستہ ہو رہی ہے۔ اس کی دیواروں پر جہاں کہیں چونا وغیرہ باقی رہ گئی ہے وہاں قدیم تحریروں کے کچھ آثار نظر آتے ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فی الوقت یہاں جانور باندھے جاتے ہیں جس کی

وجہہ سے عمارت کی حالت اور زیادہ ابتر ہو گئی ہے۔

چلۂ امام ضامن یہ خوب صورت پختہ حجرہ عرش محل کے مقابل تیسری منزل پر ہے۔ اس کی چھت گنبدنما ہے بہت ہی مصفا اور پرسکون مقام ہے۔ یہ حجرہ صرف مراقبہ اور مجاہدہ اوراد و وظائف اور زہد و عبادت کیلئے مختص تھا اور آج بھی اس کو مقدس اور متبرک سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے ہمیشہ مقفل اور محفوظ حالت میں رہتا ہے۔ صرف نذر و نیاز کے خاص خاص موقعوں اور ضروری صفائی وغیرہ کے سلسلہ میں اسے کھولا جاتا ہے۔

چاہِ محمودؑ محمود باولی کی تلاش کے سلسلہ میں اس فقیر نے بہت چھان بین کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ سے جنوب و مغرب کی طرف تقریباً تین فرلانگ کے فاصلہ پر پھول باغ واقع ہے جو اپنی اجڑی ہوئی حالت میں انقلاب ایام کی داستان دہرا رہا ہے۔ اس پھولباغ میں خوب صورت اور شاندار سنگ بستہ اور محراب دار

ؑ ۱۳ ؍ ڈسمبر ۱۹۵۶ء یکشنبہ کو محمود باولی اور دیگر محلات و عمارات کے معائنہ کے سلسلہ میں اس فقیر نے اپنے پیر و مرشد حضرت سردار نور اللہ شاہ قادری قلندر اور جناب اعتماد الدین صاحب متولی درگاہ شمس آباد کی ہمراہی میں پہاڑی کا آخری چکر لگا کر اپنا تحقیقی کام ختم کیا۔

باولی بنی ہوئی ہے۔ جس سے کسی زمانہ میں پھولباغ کی کیاریوں میں پانی سینچا جاتا تھا۔ عوام زائرین اور خاص طور پر خواتین جو تفریحاً یا بالغرض زیارت مزار یہاں آتی ہیں، وہ پانی کی سہولت اور مقام کی موزونیت کے لحاظ سے اکثر یہیں ٹھیرتے ہیں اور عام طور پر لوگ اس باولی کو محمود باولی کہتے ہیں۔ لیکن یہ خیال بوجوہات ذیل صحیح نہیں ہے۔

۱۔ یہ کہ تعمیر عمارات کے دوران حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی کرامات سے تیل کا چشمہ نکالا، تو وہ تین۳ فرلانگ کی دوری پر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ عمارات کے احاطہ میں ہی کہیں ہونا چاہیئے۔

۲۔ یہ کہ اس کنوئیں پر حسب ذیل تاریخی کتبہ نصب ہے۔

خادم شمس بندۂ محمود ⁂ گل فروش حسین چشمہ نمود
۱۲ھ۱۲

یہ کتبہ سنگ موسیٰ میں ابھرا ہوا ہے۔ اور شمالی جانب سیڑھیوں کی کمان پر نصب ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حسین نامی گل فروش نے جو حضرت شمس الدین حسینی عرف شمس مولیٰ (۱۱۰۰ھ تا ۱۱۶۰ھ) خلف الصدق حضرت محمود مولیٰ ؒ کا مرید تھا۔ بدور سجادگی حضرت سید شاہ علی رضا حسینی عرف رضا مولیٰ (۱۱۶۰ھ تا ۱۲۱۵ھ) ابن شمس مولیٰ و بعہد فرمانروائی نواب میر نظام علی خاں آصفجاہ ثانی (۱۱۷۵ھ تا ۱۲۱۸ھ) اس باولی کو بنوایا۔ بہر حال محمود باؤلی کے بارے میں درگاہ شریف کے متولی اور متوسلین، مقامی لوگ، اور شہر کے بڑے بوڑھوں سے یہ معلوم ہوا کہ محمود باولی

دراصل محمود محل کے نیچے واقع تھی جو بعد تیاری محل پاٹ دی گئی اور یہ روایت قرین قیاس بھی ہے اس لئے کہ یہاں کی جملہ عمارات دو منزلہ وسہ منزلہ میں صرف محمود محل کا نچلا حصہ بجائے خلا کے چاروں طرف سے سربستہ اور سنگ بستہ ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمود باؤلی اسی مقام پر ہوگی ۔

۱۔ گنبد کے بیرونی حصے میں مغربی دروازہ کے دائیں جانب راقم **کتبہ** الحروف فقیر کے محترم استاد و پیر طریقت حضرت مولانا سردار نور اللہ شاہ صاحب قبلہ چشتی القادری قلندر التخلص مست کا حسب ذیل کتبہ خط نستعلیق میں سنگ سیلو پر کندہ اور نصب ہے ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاہ باشد یا گدا و یا شود جن و پری
تو بجا آری ادب را تا بہ منہ یا روی

حضرتِ محمود باشد ناجدارِ اولیاءؒ
دولت و جاہ و مراتب ہر چہ خواہی بین می

فیضِ نعمت بود از کرمان ولایت از علیؑ
فیضِ عرفاں از امامِ ضامنِ ثامن بری

از منِ دیوانہ پرسی فیضِ نعمت ذات او
نعمتِ ہر دو جہاں از ہیں بارگاہے در خوری

مطلبے خواہی اگر از کنتُ کنزاً مخفیاً
خود شناس و پیر یاب و رہ پئے سالکے روی

گفت ایں پیرِ مقامم گر بجوئی کوئے یار
دردِ دل ہر دل بدار ہمراہِ سوزاں در کشی

گر بزاری تو گذر در مجلسِ صاحبدلاں
خاکِ پاشاں سرمہ کن بر نقشِ پاشاں در روی

چوں بنوشی جامِ وحدت شو خموش دم مزن
کئے توانی ناتواں بر بامِ جاناں نہ رسی

شمس و مریخ و عطارد پاسبانی می کند
چوں چراغاں می شود در قصد زہرہ مشتری

گنج بر سوارِ تو باشد بر فلک کیواں ہم	اندرین ایوانِ زہرہ نہمان تا ماہ سی
ایکہ بر جبینِ فلک ہمچوں قمر دارد شرف	از طواف بارگہ تامِ تو باشد مشتری
عندلیب خوشنوا اللہ سیر گلشن تا کجا	پر فشاں شو نغمہ ہا زن تا نہ دیگر جا پری
گفتہ آمد یکہزار و سہ صد و ہفتاد و سہ	تا سن ہشتاد در دورِ تلاطم در ردی
۱۳۷۳ھ	۱۳۸۰ھ

اے دلم زر مستِ حیرلی یاد داری ایں سخن

ہست ایں مہمان مرا چوں در آئی بہ روی

۲۔ مسجد کی غربی دیوار کے ناصیہ پہ سنگ موسیٰ میں ابھرے ہوئے حروف کا کتبہ نصب ہے جو صاف طور پر پڑھا نہیں جاتا۔ اس کتبہ کو مولوی شمس الدین صاحب مرحوم عرف کالے صاحب برادر سجادہ درگاہ نے کندہ کروا کر بہت بعد میں لگوایا ہے کیونکہ ماثر دکن سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۹۲۴ء تک بھی یہاں کوئی کتبہ نہیں تھا۔

عرس حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی صحیح تاریخ وصال ۱۳ ماہ شعبان المعظم ہے لیکن عرصہ دراز سے سالانہ عرس ۲۱ تا ۲۳ جمادی الاول کو ہوتا ہے۔ ۲۱ جمادی الاول کو مسلم وقف بورڈ کے زیر اہتمام عاشور خانہ قدم رسول شہر حیدرآباد سے بوقت ظہر صندل نکل کر براہ فتح دروازہ بعد مغرب پہاڑی پہنچتا ہے۔ صندل سے ایکدن پہلے غسل شریف کی رسم ادا ہوتی ہے جس کو بنفس نفیس متولیہ صاحبہ ادا کرتی ہیں۔

اس درگاہ کے سجادہ نشین سید شاہ علی رضا حسینی ثانی کو فوت ہو کر ۲۳ سال کا عرصہ گذر چکا بوقت انتقال مرحوم کے کوئی اولاد نرینہ باقی نہیں تھی اس لئے صاحبزادی فیض النساء بیگم کے نام تولیت بحال اور قائم ہوئی۔ محترمہ بیوہ اور لاولد ہیں۔

عرس شریف کے موقع پر تین دن تک ہجوم اور کافی چہل پہل رہتی ہے۔ حمایت ساگر جانے والی موٹر بس پہاڑی پر سے ہی گذرتی ہے۔ بادشاہی عاشور خانہ سے پہاڑی شریف کا ایک طرفہ کرایہ پینسٹھ پیسے لیا جاتا ہے۔

مطبوعہ۔ اکسل فائن آرٹ لیتھو اینڈ آفسٹ ورکس

چوک حیدر آباد فون ۵۳۳۱۳